



ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر: 31 --- جلد نمبر 3 --- شمارہ نمبر 11، 12 --- اکتوبر، نومبر 1973ء --- شوال، ذوالقعدة 1393ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبد الرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور

محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20 روپے زیر سالانہ: 200 روپے بیرون ملک: 20 ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عینِ جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ
محکمات
لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

2	قومِ یہود.....
7	سورۃ البقرۃ.....
14	سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ.....
24	استعمار اور تبشیر کے جدید ہتھکنڈے اقتصادی لالچ، مذہبی اور سیاسی تفریق ہیں.....
30	اسلام۔ ایک نو مسلم فرانسیسی پادری کی نظر میں.....
34	علامہ سعد الدین تفتازانی.....
38	اس قوم کی پھر عزت و عظمت نہیں رہتی.....
39	دلائل الخیرات کا ورد.....

قوم یہود

حیلہ گر، مفسد، سرکش، منافق، جارج

جن اور انسانوں کی تخلیق سے غرض یہ تھی کہ وہ مخالف عواطف اور میلانات کے باوجود خدا کی غلامی اور عبدیت کا ثبوت پیش کریں **ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** (قرآن) یہ مقصد نہیں تھا کہ رنگ، نسل اور ارضی اختلافات کے ترازو میں تلے اور لڑتے رہیں لیکن جب انسانوں نے اپنے اس ’پس منظر‘ کو بھلادیا تو وہاں آ رہے جہاں عزت نفس، وقار اور حق خود اختیار کے نام پر، ابن آدم کی تذلیل کا اتمام ہو رہا ہے۔

قوم یہود بالخصوص اس باب میں سب سے بازی لے گئی ہے۔ دین جو ابن آدم کی مشترک روحانی میراث ہے۔ انہوں نے اس کو بھی ایک نسلی جائیداد بنادیا ہے۔

یہودی نسلی طور پر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے ”یہودہ“ کی اولاد ہیں لیکن مذہبی لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھتے ہیں مر لطف یہ ہے کہ ان کی یہودیت، موسویت میں تبدیل نہیں ہوئی، ہاں اپنی موسویت کو یہودیت کے تابع کر کے، اس کو اسی رنگ میں رنگ دیا۔ چنانچہ اپنے اس ذیل استحقاق کی بنا پر ان کو یہ اصرار ہے کہ فلسطین ان کو ملنا چاہئے۔ کیوں؟ کہتے ہیں کہ یہود ارباب موسویت یہاں پر بھی براجمان رہے ہیں۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ، اسی کو کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ، اگر یہ بات ہے تو کبھی سے آپ روس، امریکہ، برطانیہ اور جرمن وغیرہ میں بھی تو رہتے ہی آ رہے ہیں۔ وہاں بھی آپ کو اپنے استحقاق کی جنگ لڑنا چاہئے تھی۔ خاص طور پر امریکہ میں تو عرصہ سے عملاً اور معنابر سر اقتدار بھی تم ہو۔ ممکن ہے وہ یہ سوچتے ہوں کہ یہاں کے اصلی باشندے امریکن ہیں۔ اس لئے یہودیوں کا حق نہیں جتا۔ تو فلسطین میں بھی آپ کی پوزیشن کا یہی حال ہے۔ کیونکہ اس کے اصلی باشندے کنعانی ہیں جو کنعان بن حام بن نوح کی اولاد ہیں یا عمارقہ ہیں جو لاد بن سام بن نوح سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہودی یہودہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن تارح بن ناحور کی اولاد ہیں جو بارہویں پشت میں حضرت نوح سے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ اسرائیلی (اولاد یہودہ) کوئی ڈیڑھ سو سال کنعان میں رہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اس کو چھوڑ کر مصر جا بسے ہیں اور ۴۰۰ سال مصر میں رہ کر پھر دوبارہ حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں اسے فتح کیا۔ اس کے بعد متعدد بار یہاں سے نکلتے اور آتے رہے۔ جم کر رہنے کا کبھی بھی ان کو موقعہ نہیں ملا تھا۔ اگر کبھی کبھار قبضہ کر کے کچھ عرصہ رہنے سے آپ پورے فلسطین کے اصلی مالک اور وارث بن سکتے ہیں تو جن مسلمانوں نے صدیوں یہاں ڈیرے الے ہیں ان کو اس کا کیوں حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے وارث کہلائیں اور یہ بجائے خود حقیقت ہے کہ یہاں پر باہر سے مسلمان درآمد نہیں کیے گئے تھے بلکہ وہاں کی مقامی آبادی ہی مسلمان ہو گئی تھی۔ اگر سارے باہر سے درآمد کیے گئے ہوتے تو ان پر شاید آپ کے اعتراض کی بھی گنجائش نکل سکتی۔

دراصل یہود ایک بہانہ باز اور حیلہ گر قوم ہے خوئے بد را بہانہ بسیار، کے مطابق خانہ ساز مفروضے تیار کر کے اس نے فلسطین پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رکھی ہے۔ گواہ وہ اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے ہیں اور ایسے ہی حالات پیدا کر کے وہ اپنی بات عربوں سے منواسکتے تھے جو حالیہ جنگ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صورت میں انہوں نے پیدا کیے ہیں۔ جس کا ہمیں حد درجہ صدمہ ہے کہ سوپیاز بھی پورے ہوئے اور سوڈنڈے بھی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

بہر حال ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کہ یہودیوں کی ریاست قائم ہو یا عرب اس کی آئینی حیثیت تسلیم کر کے آئینی جواز اس کو مہیا کریں۔ کیونکہ یہ قوم مکار، مفسد، حیلہ گر، سرکش، تخریب پسند، منافق، ملعون، محرف، جرائم پیشہ اور جارج ہے۔ یہ جہاں بھی قدم رکھیں گے، خیر نہیں ہوگی۔ ان کے بار میں قرآن حکیم نے جو ریمارکس دیئے ہیں وہ واضح اور حد درجہ بصیرت افروز ہیں۔

قرآن حمید کا اصرار ہے کہ یہ ملعون قوم ہے: **بَلْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ** (۸۸/۲)

مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بدترین لوگ ہیں: **أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا** (۶۰/۵)

راہِ راست سے دور: **أَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ** (۶۰/۵)

حق کا انکار، جان بوجھ کر اور صرف ذاتی دشمنی اور ضد کی بنا پر کیا کرتے تھے:

وَأَتَيْنَهُمُ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۱۷/۴۵)

یعنی انکار کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ، بات دوسرے قبیلے کے کسی فرد کے منہ سے نکلی ہے، یعنی وہی سراپا نسلی غمار۔

اپنے بارے میں وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ خدا کے چہیتے اور روحانی اولاد ہیں:

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُهُ (قرآن)

دوسروں کے متعلق ان کا نعرہ تھا کہ وہ سب دوزخی ہیں:

قَالَتِ الْيَهُودُ دَلِيلَسِتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ (بقرہ)

اور اپنی تمام تردید کر داریوں کے باوجود سد اس موڈ میں رہتے تھے کہ لوگ ان کے گن گائیں:-

يُحِبُّونَ أَنْ يُخَذَّوْا بِمَالِهِمْ لَمْ يَفْعَلُوا (ال عمران)

اپنی حماقتوں کے سلسلے میں یہ خوش فہمی رکھتے تھے کہ خیر سلا ہے، معاف ہو جائیں گی۔

وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا (الاعراف)

لوگوں کا استحصال کرتے اور ناحق ان کے مال کھاتے تھے:

وَآكَلِهِمْ أَمْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (۱۶۱/۴)

جھوٹ موٹ پر جان چھڑکتے اور حرام کو شیر مادر سمجھتے تھے:

سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْلُونَ لَسُنْخِ (۴۲/۵)

عہد شکن لوگ ہیں: **أَوْ كَلَّمَا عَهْدًا وَعَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ** (بقرہ)

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ (بقرہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مرضی کے خلاف خدا بھی آکر کہے تو اکڑ جاتے ہیں:

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ (بقرہ)

بعض کو صرف جھٹلاتے اور بعض کو قتل بھی کر ڈالتے:

فَقَرَّبْنَا كَذِبُكُمْ وَقَرَّبْنَا تَفْتُلُونَ (بقرہ)

انبیاء سے احتجاج کیا کرتے تھے: لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَرَى إِلَهَ جَهَنَّمَ (بقرہ)

جہاں کیفیت یہ ہے وہاں اطاعت کا کیا سوال؟ بلکہ وہ انبیاء سے یہاں تک کھل کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم خود صاحب علم و فہم ہیں آپ کے محتاج نہیں ہیں:

قَالُوا أَقُلُّوا بَنَّا غُلْفٌ (بقرہ)

الٹ کر ناان کی فطرت تھی: فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ (بقرہ)

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (بقرہ)

خدا نے من و سلویٰ یا، کہا، مسور کی دال وغیرہ چاہئے:

لَنْ نَضِيبَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ الْإِيَّة (بقرہ)

ٹال مٹول، بس خوںے بدرابہانہ بسیار: گائے کے ذبح کا واقعہ ملاحظہ ہو۔ (۲/۹۶ تا ۹۷/۹۷)

یہ بدنصیب قوم پتھر تھی بلکہ پتھروں سے بھی سخت: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ)

سمجھ لینے کے بعد کلام الہی میں تحریف کرنا ان کا دستور ہو گیا تھا:

يُحْزِرُ فُؤَادَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ (بقرہ)

دین میں بھی بدنام سیاسی چالیں چلانا ان کا شیوہ تھا:

أَتُحَدِّثُوكُمْ مِمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ (بقرہ)

اور درجہ کے شیخ چلی تھے:

لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (بقرہ)

خود مرتب کرنا اور پھر کہنا کہ یہ نوشتہ الہی ہے:

يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (بقرہ)

کیوں؟ صرف مادی منفعت کے حصول کے لئے:

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (بقرہ)

وہ خدا پر بھی معترض اور ناراض ہو جاتے تھے کہ ان کی مرضی کو خدا نے ملحوظ نہیں رکھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بَغْيًا أَنْ يُنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (بقرہ)

بلکہ ناک بھنویں چڑھا کر تحقیر سے خدا کی بات کا ذکر کرتے تھے:

مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا (بقرہ) مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلِهِمُ النَّبِيُّ كَانُوا عَلَيْهَا

بلکہ خدا کی یہ وحی لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی اپنا مخالف سمجھتے تھے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلِ الْآيَةِ (بقرہ)

اللہ کے رسول کا مذاق اڑاتے اور اپنا نوکر بنا کر ان سے بات کرتے:

لَا تَقُولُوا آرَاعِنَا (بقرہ)

ستمان حق کی پیاری ان کو الگ تھی:

لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرہ)

جس خطے میں اس 'قماش' کی قوم جگہ پائے گی وہ کیا باقی رہنے دے گی۔ دیکھ لیجئے! ابھی عرب کی سر زمین میں اس نے قدم رکھا ہی ہے کہ عرب تو وبالاً ہو رہا ہے۔ جب جم کر بیٹھنے کا ان کو موقع ملا تو خدا جانے کیا ہو۔ بہر حال سوچ لیجئے! کیا کرنے لگے ہیں اور کس کو جگہ دے لگے ہیں۔

اخوان کے سربراہ حسن البھضیبی وفات پا گئے

مصر کے روزنامہ 'الاہرام' نے خبر دی ہے کہ ۱۰ نومبر کو اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البھضیبی انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ تھی، اخوان المسلمین سے وابستہ ہونے سے پہلے موصوف مصر کے کورٹ آف ایپل کے جج تھے۔ اخوان کے بانی حسن البنا کے بعد اخوان نے ۱۹۶۹ء میں حسن البھضیبی کو اپنا سربراہ منتخب کر لیا۔ ۱۹۵۳ء میں ان کو اور ان کو بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مصر کے موجودہ صدر انور السادات نے ۱۹۷۲ء میں انہیں رہا کیا تھا۔ (۱۸ نومبر)

بات یہ نہیں کہ فلاں عظیم شخصیت دنیا سے رخصت ہو گئی، کیونکہ تابہ کے؟ آخر یہی ہونا تھا، جب محمد رسول اللہ ﷺ جیسی مبارک ہستی دنیا میں نہ رہی تو اور کس کے متعلق کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسے یہاں ہی رہنا ہے؟ بلکہ اصل رونا اس بات کا ہے کہ دنیا نے ہمیشہ بھلے آدمیوں، باخدا رہنماؤں، داعی حق تحریکوں کی قدر نہیں کی، جو ان کا بھلا چاہتے ہیں، انہی کے ساتھ عموماً برا کیا ہے۔

'اخوان' دنیائے عرب کی ایک ایسی دینی تحریک تھی، جو احیاء دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لئے ابھری اور ہمارے دیکھتے دیکھتے دنیائے عرب پر چھا گئی، قریب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی اور بڑی طاقتوں کی سیاسی داشتہ یہود جیسی منحوس ریاست کا بھی ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو جاتا لیکن مغربی سامراج اور دین محمد علی صاحبہا الف صلوٰۃ والسلام کی دشمن طاقتوں کی سازش کی نذر ہو گئی اور یہ سبھی کچھ انہی مصریوں اور اس کے ہمنوا دوسرے مسلمان ملکوں کے ہاتھوں ان کو سولی پر لٹکوا کر ان کی دنیا، آخرت اور تاریخ کو سیاہ کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسی طرح حجاز میں ”محمد بن عبدالوہاب“ رحمۃ اللہ علیہ کی جو تحریک اُٹھی وہ بھی اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں حجاز تک محدود ہو کر رہ گئی، ترکیوں، مصریوں اور عجمیوں نے اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں، متحدہ ہندوستان کے رضا خوی اور بر خود غلط بریلوی لوگوں سے بدخواہوں نے بڑا کام لیا۔ ورنہ پورا عالم اسلام ”حاملِ دین“ ہوتا اور ملتِ اسلامیہ ایک ایسی ملی وحدت سے ہمکنار ہو چکی تھی ہوتی جو بالکل ناقابلِ تسخیر ہوتی۔

ہند میں مجاہدین کی ایک جماعت نے کروٹ لی تو خدا دشمن طاقتوں اور بعت کے رسیا بد نصیب لوگوں نے طوفان کھڑا کر ڈالا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ابھی تک ان ظالموں نے حق کے ان داعیوں کے ”جرم حق“ کو معاف نہیں کیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی اصلاحی تحریک شروع ہوتی ہے تو دنیا داروں سے زیادہ بزمِ خود دیندار اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس سے بڑھ کر سیاہ بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان سے خطرہ ”دین فروشوں اور سیاہ کاروں“ کو نہیں۔ اگر ہے تو صرف ”حاملِ اسلام تحریکوں“ کو!! ان کی اکثریت شعبہ باز سیاسی مداریوں کے پٹارے کی چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر کوئی خدا کا نام لیتا ہے تو بقول اکبر الہ آبادی مرحوم۔

لوگوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا کر کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سورة البقرة

سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: جلد ۳ عدد ۴ شمارہ صفر المظفر ۹۳ھ

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور (اے پیغمبر!) جو (کتاب) تم پر اتری اور جو (کتابیں) تم سے پہلے اتریں، ان (سب) پر ایمان لاتے ہیں۔

(۱) مَا (جو کچھ) اس کا مفہوم عام ہے، وحی جلی (کتاب اللہ)، وحی خفی (حدیث رسول اللہ) رسالت، خود ذات رسول۔ کیونکہ ”جو کچھ“ میں یہ سب کچھ آجاتا ہے۔ جو کلام جبرائیل کے توسط سے نازل ہوا اس کو ”وحی جلی“ کہتے ہیں اور ملکہ نبوت (جو منصب و عہدہ کے خصائص کا خصوصی حاصل ہوتا ہے) پر مبنی آپ کی حیات طیبہ کے جدو خدو خال ابھرے اس کو ”وحی خفی“ کہتے ہیں۔

(۲) اُنْزِلَ (اتارا گیا، نازل کیا گیا) اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اوپر سے نیچے اتارنا مگر یہ اس کا لازمی جزو نہیں، ایک چیز کا ذہن میں آنا کسی شے کا پہنچا دینا اور وہ بذریعہ قاصد ہو یا بواسطہ القاء سبھی کو انزال اور نزول کہتے ہیں۔

یہاں پر مَا اُنْزِلَ سے مراد قرآن کریم بھی ہے اور حدیث رسول بھی کیونکہ دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم تو بالکل ظاہر ہے، باقی رہی حدیث؟ تو وہ اس لئے کہ وہ خدائی القاء کا مظہر ہوتی ہے یا خدا کے پیغمبر کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی ایک ایسی بات ہوتی ہے یا فعل، جس پر رب نے سکوت فرمایا ہوتا ہے جو اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ یہ بھی منشاء الہی کے مطابق ہے ورنہ اس پر آپ کو ٹوک دیا جاتا۔ اس کے علاوہ رسول پاک ﷺ کی بعثت اور آپ کی ذات کو بھی انزال سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

قَدْ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُولًا (پ ۲۸۔ الطلاق ع ۲)

خدا نے تم پر ’ذکر‘ (یعنی) رسول نازل فرمایا ہے۔

رسول کو ’ذکر‘ سے تعبیر کیا، کیونکہ وہ سراپا ”یادداشت“ ہوتے ہیں اور ذات رسول کے بارے میں فرمایا کہ اسے اللہ نے اتارا ہے۔ کیونکہ پیغمبر خدا کی کتاب زندگی بھی سراپا قرآن تھی، اللہ کے رسول کی حیات طیبہ خدا کی نگرانی میں تشکیل پاتی ہے۔ جو قومی، ملکی اور خاندانی چھاپ سے منزہ اور سراپا مہبت ربانی ہوتی ہے۔ کسی شے نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ کے سراپا کو منزل من اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر خدائی حیات طیبہ قرآن کا عکس اور اس کی تعلیمات کا مرئی پیکر ہوتی ہے اور یہ چیز خدائی تحفظ اور نگرانی کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کو منزل من اللہ کہہ کر قرآن حمید کی طرح اس کو بھی ’شریعت کا ماخذ‘ قرار دیا۔ اور جس طرح قرآن پر ایمان لانا جزو ایمان ہے۔ اسی طرح ذات رسول پر اپنے تمام متعلقات کے ساتھ ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو ’محمد رسول اللہ‘ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

(۳) اِلَيْكَ (آپ کی طرف، آپ پر) اس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کسی کی وحی، القاء اور الہام پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لئے صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے رویا، کشف اور القاء کو صحیح بھی ہو سکتے ہیں، مگر ان پر ایمان لانا یا ان کی طرف ’دعوت‘ دینا دینی فریضہ نہیں ہے اور جو لوگ ان کی بنا پر جدید حلقے تشکیل دے کر ان کی ’نسبتوں‘ کے نام پر مہم چلاتے ہیں، اچھا نہیں کرتے بلکہ ملتِ اسلامیہ میں انتشار کے سامان کرتے ہیں اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ و السلام کی یکسوئی پر کاری ضربیں لگا کر اس کو ”بلبل ہزار داستان“ بنا ڈالتے ہیں وہ حلقے خانقاہی ہوں یا فقیہی، کلامی ہوں یا سیاسی بہر حال یقین کے ساتھ ان کے لئے نہ منزل من اللہ ہونے کا نعرہ لگایا جاسکتا ہے اور نہ ان کی طرف دعوت کے سلسلے قائم کر کے خدا اور رسول کی نسبتوں کو کمزور کرنے کی کسی کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہ متقیوں کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔

(۴) **مِنْ قَبْلِكَ** (آپ سے پہلے) رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جتنا اور جیسا کچھ نازل ہوا بلا استثناء سب کو برحق ماننا ایمان اور اسلام کا جزو ہے کیونکہ سرکارِ عالی کی جناب سے جب کبھی جو کچھ بھی عطا ہوا حق تھا، صواب تھا، حالات اور وقت کے تقاضوں کا صحیح جواب تھا۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی اور آپ سے سابق انبیاء علیہم السلام و الصلوٰۃ کی وحی پر ایمان لانے کا تو ذکر ہے، لیکن حضور ﷺ کے بعد کی وحی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، کیا گیا ہے تو صرف آخرت کا کیا گیا ہے کیونکہ بعد میں اور کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں رہا، اب انتظار تھا تو صرف اس گھڑی کا تھا جس میں انبیاء کرام کی مساعی جلیلہ، دعوت اور امتوں کے انکار اور اجابت کے نتائج کا کامل ظہور ہو جانا چاہئے۔ یعنی آخرت، معاد۔

بِالْآخِرَةِ (آخرت کے ساتھ، آخری، روزِ حشر) اس کو ’معاد‘ بھی کہتے ہیں، گویا کہ انسان ادھر پلٹ جاتا ہے، جدھر سے آیا تھا، اس کا نام ”یوم الميعاد“ بھی ہے، کیونکہ اسی دن جزا سزا کے سب وعدے پورے ہوں گے۔

موت، برزخ، نفوسِ جس کے ذریعے کائنات پر ہمہ گیر فنا کا طاری ہونا ہے، نفخِ صور ثانی جس کے ذریعے سب مردے زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ محشر کے وہ کوائف جن سے ہر منتفس کو گزرنا ہو گا، پل صراط، وزن اعمال، شفاعتِ جلالِ الہی کے کامل اور واضح ظہور کا دن، بے لاگ اور جامع چیکنگ، احتساب، جنت و دوزخ کا مشاہدہ اور جنت و دوزخ کے فرزندوں کی تقسیم، لازوال غم و اندوہ اور چیخ و پکار اور غیر فانی بہار و مسرت، حیاتِ سرمدی اور عیشِ دوام کے کامل ظہور کا وقت، یہ سب امور، آخرت اور اس سے متعلقات کے تحت آجاتے تھے۔

قیامتِ بردوشِ آخرت کا یہ تصور، انسان کو تازہ دم اور محتاط رکھنے اور محتاط چلنے کے لئے کافی موثر ہے۔ اس دن کی جواب دہی کے احساس کی یہ کڑک فلت کی بے ہوشی کے لئے زبردست تازیانہ ہے۔ اگر آخرت کی جواب دہی کا یہ احساس معدوم ہو جائے یا اس کا رنگ پھیکا پڑ جائے تو انسان جلد یا بدیر بے راہ ہو جائے بلکہ ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور فکر و عمل کا یہ قافلہ کسی خاص مقصد کے تحت ایک خاص منزل کی طرف رواں دواں ہے جس کا بہر حال کوئی ٹھوس انجام ضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔ جنہوں نے اس کا احساس نہیں کیا، **أَنَارَ بُكْمُهُمُ الْأَعْلَى** کی صدائیں بلند کیں، بابر بہ عیشِ کوش کہ عالم دوبارہ نیست جیسے بول بولے اور غفلت و بے ہوشی جیسی غارتِ گر آخرت کے ہاتھوں تباہ ہوئے اور عملاً انہوں نے اس امر کا اعلان کیا کہ خدا کوئی نہیں، اگر ہے تو دوبارہ زندہ کرنے اور بے خطا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امت پر قادر نہیں (العیاذ باللہ)

آخرت، توحید کے تمام اور کامل ظہور کی ایک ایسی گھڑی ہے، جس میں رب کے سوا اور سب کی آسین ٹوٹ جائیں گی۔ سب سہارے غائب ہو جائیں گے، لا الہ الا اللہ کے مضمون کا انسان اپنی انہی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا، انبیاء کرام علیہم السلام کی جس دعوت کو ایک مجذوب کی بڑ اور خیال خام تصور کیا کرتا تھا۔ اب ان سب حقائق کو مشہود و موجود پائے گا اور داعیان حق کی تکذیب و تصدیق کے سب نتائج اپنے سامنے محسوس کرے گا۔ حق اور باطل کی آویزش میں حق کیونکر بھاری ہوتا ہے، اس دن سب کو اس کا علم ہو جائے گا۔ یہ وہ عظیم حقائق ہیں جن کی بنا پر 'آخرت' نے تصور کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے جو دراصل اپنی ذات کو متوازن رکھنے اور کنٹرول کرنے کے لئے رب کی طرف سے انسان کے لئے ایک 'عظیم توفیق' مہیا کی گئی ہے جو لوگ اس توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں وہ دراصل بہت بڑی سعادت اور عظیم سہارے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

دو حاضر کے متنبیوں اور عہدہ نبوت کے وکانداروں نے ”بالآخرۃ“ سے مراد حضور کے بعد آنے والی وحی اور نبوت مراد لی ہے حالانکہ یہ قرآن کی خاص اصطلاح ہے۔ قولی قرینہ کے بغیر جہاں بھی یہ لفظ آتا ہے قیامت ہی مراد لی جاتی ہے۔ بہر حال یہ ان کی تحریف ہے۔ تفسیر نہیں ہے۔
(۲) یُوقِنُونَ (یقین رکھتے ہیں) جو تصور آخرت، انسان کی دارین کے فوز و فلاح کا ضامن ہو سکتا ہے وہ صرف اور صرف وہی تصور ہے جو یقین اور اذعان کی بنیاد پر قائم ہے۔ ”خوف خدا، خوف آخرت، خوف انجام اور بے کلی“ کا دامن گیر رہے، اس کی موٹی نشانی ہے، آخرت کے بارے میں جو عام احساس اور تصور پایا جاتا ہے، وہ ایک سطحی اعتراف کی شکل ہے اس کی جڑیں نہیں ہیں اس لئے ہماری زندگیاں اس آب و تاب سے خالی ہیں جو اسلامی تصور آخرت کا قدرتی نتیجہ ہو سکتی ہے۔

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی (آخرت میں من مانی) مرادیں پائیں گے۔

مِن رَّبِّهِمْ (اپنے رب کی طرف سے) ہدایت اور سیدھی راہ سے مراد، ربانی راہ اور ہدایت ہے، جو اب صرف قرآن و حدیث میں محصور ہے۔ 'مِن رَّبِّهِمْ' کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ انسان کی اپنی مرتب کردہ رہنمائی اپنے لئے یا غیر کے لئے حیوانی خواہشات اور بھی میلانات کے اتباع کی ایک شکل ہے اصولی نہیں ہے۔ اس سے مختلف پگڈنڈیوں پر پڑ کر ابن آدم کی جمعیت اور شیرازہ بکھر تو سکتا ہے مجمع نہیں ہو سکتا، کیونکہ انسان کے حیوانی میلانات جدا جدا ہوتے ہیں۔ اس لئے سب کا رخ بھی جدا جدا ہو سکتا ہے۔ الغرض انسانی اور ملکی نظام کے استحکام اور وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے بھی ”ربانی رہنمائی“ ایک فطری ضرورت ہے جس کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ اولاد آدم اپنے مختلف اور خود ساختہ معیاروں کی بنا پر چھوٹی چھوٹی اور حقیر سی ٹکریوں میں بیٹھا جا رہا ہے اور بٹ کا اختلاف اور باہمی ربط و ضبط کے امکانات کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس کے علاوہ خدا جس طرح سب کا خدا ہے اسی طرح ساری مخلوق بھی اسی کی مخلوق ہے اس لئے اپنے بندوں کے لئے یکساں اور قابل قبول نظام حیات بھی وہی دے سکتا ہے دوسرا نہیں۔ کیونکہ بندوں کے ملکی اور نسلی احوال و ظروف کے اس قدرتی اختلاف اور نزاکتوں کو جس طرح وہ رب سمجھ سکتا ہے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور ان غیر مصنوعی اختلافات کو باقی رکھ کر ان کو ایسی اصولی لڑی میں پرو کر ایک ایسے 'کلمہ جامعہ' کے گرد جمع کر دینا جو ملکی وحدت، طرز حیات کی پاکیزگی، فوز و فلاح اور خدا جوئی جیسی توفیق مہیا کر سکے خدائی پیمانے کا یہ کام صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بس مِنْ رَجِيمٍ کی قید اس پس منظر کے سلسلے کی ایک لطیف تلمیح ہے۔

یہاں پر متقیوں کی جن پانچ صفاتِ حسنہ اور خصائص کا ذکر کیا گیا ہے، ربانی راہ کا حصول اور اس پر گامزن رہنے کی توفیق، ان کا فطری اور قدرتی نتیجہ ہے۔ ان پانچ صفات کے نتیجے کے طور پر سیدھے راستے کی بشارت دینے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام ایک نظامِ حیات ہے اور اس کے احکام اس سلسلے کی غیر منفک سنہری کڑیاں ہیں مگر ان کے خاطر خواہ اور موعود نتائج اور ثمرات کا ظہور اس کے جزوی احکام پر موقوف نہیں ہے بلکہ وہ اس امر پر منحصر ہے کہ اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے پورا پورا قبول اور نافذ کیا جائے۔ جزوی شکل میں توڑ پھوڑ کر اس کو اپنانے کی کوشش نہ کی جائے اس لئے دوسرے مقام پر فرمایا، **أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً** (اسلام میں سارے داخل ہو جائیے۔ ورنہ بات نہیں بنے گی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ عالم اسلام کی محرومی کا باعث اسلام سے اس کی جزوی ہٹگی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

(۱) **الْمُفْلِحُونَ** (مرادیں پانے والے) **فَلَحَّ** کے معنی زمین جو تناور **فَلَح** کے نیچے کا ہونٹ پھٹا ہوا ہونا اور **أَفْلَحَ** کے معنی درست ہونا ہے۔ یعنی بگڑی بنا لینے والے۔ یہ سلسلہ مضمون کی تیسری کڑی ہے جو آخر میں تیسرے سرے پر واقع ہے۔ مضمون کی ترتیب یہ ہے کہ: اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے قبول کرنے والے وہ لوگ جو جزوی طور پر بعض احکام پر قناعت نہیں کرتے، وہ ”ربانی راہ یعنی سیدھے راستے“ پر پڑ جاتے ہیں، اگر وہ اس پر گامزن رہے تو مرادیں پالیں گے، بگڑی بن جائے گی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ بالفاظ دیگر: اس سلسلہ مضمون کی ترتیب ٹوٹ گئی تو پھر متوقع ثمرات اور نتائج کے حتمی، اصولی اور قدرتی نتیجہ والی بات نہ رہے گی۔ بخت و اتفاق اور فضل و رحمت کی بات اور ہے۔

إِنَّ الدِّينَ كُفْرًا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ.

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو (عذابِ الہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے والے نہیں۔ (۱) **كُفْرًا** (میں نہ مانوں) **كُفْرًا** (میں نہ مانوں کے رسیا) کفر اصل میں چھپانے کو کہتے ہیں۔ جو شخص ازراہِ جہل، بنا برعناد، بر سبیلِ جود یا اتفاق بنیادی حقائقِ دینیہ کا انکار کرتا ہے یا دوسرے شرعی احکام کی تکذیب کرتا ہے تو اسلامی اصطلاح میں اس کو کافر کہتے ہیں (خازن) اور اس کے اس طرزِ گریز، اسلوبِ انکار اور عمل فرار کا نام کفر ہے۔ اسی طرح جو لوگ منصوص حقائقِ شرعیہ میں رد و بدل کرتے ہوئے ایسی ’تاویل‘ کا سہارا لیتے ہیں جس کی زبان اور مضمون کے لحاظ سے کوئی گنجائش نہیں ہوتی یا وہ اپنی سفلی خواہشات اور سیاسی مصالح کی بنا پر **’تلعب بالدين‘** (دین سے کھیلنے اور شغل) کرتے ہیں، تو وہ بھی کفر کا ارتکاب کرتے ہیں: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان المخالف قد يخالف نصامتا تراويز عم انه مؤول ولكن تاويله لا انقداح له اصلا في اللسان لا على قرب ولا على بعد ذلك كفر وصاحبه مكذب وان كان يزعم انه مؤول (التفرقة بين الاسلام والزندقة)

یعنی مخالف کسی متواتر نص کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مؤول ہے مگر اس کی اویل کے لئے قریب یا بعید زبان میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی تو یہ کفر ہے اور اس کا مرتکب مکذب (تکذیب کرنے والا) ہے، اگرچہ وہ اس زعم میں رہے کہ وہ ’مؤول‘ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”تاویل کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہوتی ہے جو کتاب و سنت اور اجماع کے مخالف نہیں ہوتی، دوسری وہ ہوتی ہے جو ان سے متضاد ہوتی ہے۔ ایسا مؤول زندیق ہوتا ہے خواہ وہ یوں کیوں نہ کہے کہ اس حدیث کے راوی کے بارے میں مجھے اطمینان نہیں یا اس کے معنی دوسرے ہیں۔“

ثم التاویل تاویلان، تاویل لا یخالف قاطعا من الكتاب والسنة واتفاق الامة و تاویل یصادم واثبت بقاطع فذلك الرندقة.... سواء قال لا اثق بهؤلاء الرواة او قال اثق بهم لكن الحديث مؤول ثم ذکر تاویلا فاسد الم یسمع من قبله فهو الرندیق

مندرجہ بالا آیت میں **كَفَرُوا** سے مراد وہ لوگ ہیں جو بوجہ ’میں نہ مانوں‘ کے اصول پر قائم ہیں اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ **سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ، كَفَرُوا** کا بدل ہے۔ اس وقت اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جن لوگوں کا شیوہ ’میں نہ مانوں‘ ہے یعنی وہ جن کو ڈرانانہ ڈرانائیاں ہیں، وہ کلمہ نہیں پڑھیں گے۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کو راہ پر لانے کے لئے جتنی اور جیسی کچھ بھی کوششیں کی جائیں گی، رائیگاں ہی جائیں گی مگر بایں ہمہ ہمیں اتمام حجت، تبلیغ کے حصول ثواب اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہونے کے لئے تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم ہے ویسے بھی یہ امور علم الہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کون اس سٹیج پر ہے اور کون ابھی اس سے ورے ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس لئے ایک داعی حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی بہر حال انجام دے۔ صالح عنصر تو بیج جائے گا۔ اور جو بے کار اور ردی ہو گا، وہ خود بخود اپنے انجام سے ہم کنار ہو کر رہے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ پھر اس انکشاف کا فائدہ؟ سو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اس ذہنی کوفت سے نجات دلانے کے لئے ہے جو ان بد نصیبوں کو دیکھ کر آپ کو ہوتی رہتی تھی۔ اس کیفیت کے ازالہ کے لئے دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد. ۶۷) فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ بِمَا يَصْنَعُونَ (فاطر ۲۷)

”میں نہ مانوں“ کے ان بیماروں کا دوسری جگہ یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

وَلَيْنَ آتَيْنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبَلَتَكَ (البقرہ. ۱۷۷)

جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے اگر آپ سارے دلائل بھی ان کے پاس لے آئیں، تب بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ. وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (پ. ۱۱ یونس ع. ۱۰)

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ آپ کے رب کے حکم (عذاب) کے مستوجب ٹھہر چکے ہیں، وہ تو جب تک عذاب دردناک کو دیکھ نہ لیں گے کسی طرح ایمان لانے والے ہیں نہیں اگرچہ (دنیا جہاں کے) تمام معجزے ان کے سامنے (کیوں نہ) آ موجود ہوں۔

الغرض جو لوگ یہ تہیہ کر لیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو وہ بہر حال اپنے سابقہ موقف پر ڈٹے رہیں گے۔ ان کو تبلیغ کرنا ان کے لئے قطعاً مفید نہیں ہو سکتا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ زبردستی کسی سے کچھ نہیں منواتا۔ صرف دعوت دیتا ہے، سمجھاتا ہے اگر وہ مان لیں تو بہتر، اگر نہیں تو نہ سہی۔

(۲) انداز (وارنگ دینا، نتائج بد سے آگاہ کرنا، متنبہ کرنا) اس کے معنی دھمکی دینا نہیں، بلکہ غلط نتائج سے مطلع کرنا ہیں۔ اندیشوں سے اعتراز اور پرہیز

کرنے کے لئے اگر گنجائش اور وقت باقی ہو تو اس سلسلے میں تنبیہ کرنے کو ’انداز‘ کہتے ہیں اور اگر گنجائش باقی نہ رہے تو اس کا نام ’اعلام اور اخبار‘ ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان کان للزمان اتماع بحیث یسع فیہ الاحتراس عن المخوف به فانذار والا اعلام و اخبار لا انذار (کشف
المحجوبین علی تفسیر الجلالین ص ۱۰)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور (آخرت میں) ان کو بڑا عذاب (ہونا) ہے۔

(۱) خَتَمَ (مہر لادی) مہر ہمیشہ خطا، آرڈر اور مضمون کے اختتام اور تکمیل پر ان کے آخر میں لگائی جاتی ہے پہلے نہیں گویا کہ مضمون اور خط کی تکمیل ہی مہر
ثبت کرنے کا باعث اور نتیجہ ہوتی ہے، مہر خط اور آرڈر یا مضمون کا باعث نہیں ہوتی۔ یہاں پر 'مضمون' آیت **اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ اَلَا یَتَذَكَّرُوْنَ** میں
مذکور ہو گیا ہے یعنی 'میں نہ مانوں'۔

مہر لانے سے مراد یہ ہے کہ غلط کام پر انسان کے دل میں جو غلط کبھی کبھار چٹکیاں لیتی رہتی ہے، وہ اب جاتی رہتی ہے۔ ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، اس کی طرف
سے پھر کبھی صدا بلند نہیں ہوتی اور نہ احتجاج ہوتا ہے۔ اب ان کو ضمیر کی طرف سے کسی فطری مزاحمت اور ملامت کا کھٹکا بھی باقی نہیں رہتا۔ بلکہ اپنی کج روی، بد
عملی اور کفر بازی کو بنظر استحسان دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

وَهُمْ یُخْسَبُوْنَ اَنْهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف ع ۱۲)

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خوب کام کر رہے ہیں۔

اور اس پر وہ پوری طرح مطمئن ہو رہے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَزُجُوْنَ لِقَاءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیْوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَأْنَوْا بِهَا (یونس ع ۶)

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کا کھٹکا ہی نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اس پر وہ مطمئن ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ آسمانی کتابوں سے نفرت بھی کرتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَخْبَطُوْا اَعْمَالَهُمْ (پ ۲۶. محمد ع ۱)

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ خدا کی نازل کردہ آیات سے نفرت کرتے ہیں، تو خدا نے ان کا کیا کرنا ضائع کر دیا۔

صرف نفرت نہیں استہزاء بھی کرتے ہیں: **اِنَّ لِّمَنْ مُّسْتَهْزِئٍ عَوْنٌ** (البقرہ ع ۲)

وہ یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن کے سوا کچھ اور لاؤ یا اسی میں کچھ رد و بدل کر دو:

اِنَّتَ بِقُرْآنٍ غَیْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ ط (پ ۱۱. یونس ع ۴)

جب یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت دل سے احساس، نگاہوں سے دید حق اور کانوں سے شنی حق کی ساری توقیق چھن جاتی ہے، جود و انکار ان کی
طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ حق سے ان کو وحشت ہونے لگتی ہے۔

معصیت کوشی، خدا فراموشی، نفس و طاغوت کی چاکری، داعیانِ حق سے عداوت، نفرت، بدوں سے الفت اور محبت ان کی غذا ہو جاتی ہے۔ بس یہ وہ
'کیفیت' ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مختلف ناموں سے یاد فرمایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت امام ابن قیمؒ (ف ۷۵۱ھ) نے ان کی پوری لسٹ اور فہرست دے دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔
ختم، طبع، اکثہ، غطاء، غلاف، حجاب، وقر، غشاوہ، ران، غل، سد، قتل، صمم، بکم، عمی، صد، صرف، شد علی القلب، ضلال (بعید) اغفال، مرض، تقلیبِ افندہ
الحول بین المرء و قبلہ، ازاعۃ القلوب، خذلان، ارکاس، تنبیط، تزین، ان کی تطہیر و ہدایت سے پرہیز، احیاء کے بعد اماتت قلوب کے سامان، روشنی کا چھین لینا، قلب
قاسی، سینہ کی تنگی (صدر ضیق) (شفاء العلیل ص ۹۲)

پروفیسر منظور احسن عباسی

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

(قسط ۳)

مؤلف کتاب نے محض اختلافی نکتوں پر اپنے دلائل کی بنا رکھی ہے۔ متفقہ فیصلہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن احادیث کی تمام بحث میں کوئی ایک نظیر بھی ایسی نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ کسی مرتد کو ارتداد کی حالت میں زندہ رہنے کا حق ہے۔ اختلافات کی صورتِ تطبیق یہ ہے کہ مرتد کو مہلت توبہ دی جائے تو بہتر ہے۔ نہ بھی دی جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر مرتدہ سرکشی پر اتر آئے تو وہ بھی مستوجبِ قتل ہے ورنہ اسے قید میں رکھا جائے گا^۱ اور توبہ کر لے تو مرد و عورت دونوں کے لئے معافی کی اجازت ہے اور یہ تمام مسائل الفاظ و معانی قرآن و حدیث سے اخذ فرمائے گئے ہیں۔

رہا احادیث کے قابلِ تاویل ہونے کا معاملہ سو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ احادیث کے مطالب کی تاویل و تعبیر کی جاسکتی ہے۔ یہ عمل قرآنی آیات میں بھی نافذ ہے لیکن تاویل کے بھی کچھ اصول ہیں۔ ایسی تاویل جس کے نہ الفاظ متحمل ہوں اور نہ اس کا مفہوم ہی درست ہو سکے، تفسیر بالرائے کے مصداق ہے جس پر سخت و عید آئی ہے۔ اس کے لئے تاویل کرنے والے کی ذہنی اور علمی صلاحیت، اس کی بے لوثی اور اخلاقی بلند فطری اور حقیقت پسندی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ایک جاہل مرد نے جس کا نام مجرم تھا، آیت **كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ** کا مطلب یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جن کا نام مجرم ہے ہلاک کر دے گا۔ ایک شر پسند عالم رحمٰن یمامہ (جو مسلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہے) آیت **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** میں رحمٰن سے اپنی ہستی مراد لیتا ہے۔ ایک احمق لا تقربوا الصلوة کا یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ کسی کو نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ ایک پڑھے لکھے شخص کا دعویٰ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم آخری نبی نہیں تھے بلکہ نبیوں کی مہر تھے کہ جس پر مہر لگادی اسے نبی بنا دیا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ حدیث **مَنْ بَدَلَ دِیْنَهُ فَاَقْتُلُوْہُ** فرمودہ رسول ہے ہی نہیں۔ یہ کسی ملا کا قول ہے۔ جناب مؤلف کتاب نے اس شخص کی طرح اس حدیث کو ملا کا قول کہنے کی جرأت تو نہیں فرمائی لیکن ایسی تاویل فرمائی ہے جو اوپر کی تاویلات سے بہت مشابہ ہے مثلاً ارشاد ہے کہ مولوی چراغ علی نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔ لیکن بیشتر اصحاب کے نزدیک یہ کوئی معقول سبب نہیں جس کی بناء پر حدیث کو رد کر دیا جائے (مطلب یہ ہے کہ کاش منقطع ہونے کے علاوہ اور وجہ کوئی ہوتی کہ اسے رد کیا جاسکتا) تاہم وہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل کی جاسکتی ہے (جو نتیجہ اس کے رد

^۱ حدیث بالا کے مفہوم مخالف سے مرتد مرد کا واجب القتل ثابت کرنا اگرچہ الزام آورست ہے لیکن واضح رہے کہ مرتدہ کو قتل کے حکم سے مستثنیٰ قرار دینے والی کوئی حدیث صحیح نہیں بلکہ سخت ضعیف ہیں اور حنفیہ میں سے جو لوگ مرتدہ کے قتل کی بجائے اسے کسی دوسری سزا کا مستوجب قرار دیتے ہیں بظاہر اس کی وجہ صرف تقلید ہے کیونکہ عورتوں کے قتل سے اجتناب والی حدیث کے مختلف طرق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حدیث کسی مرتدہ کے حکم سے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ ان حربی عورتوں سے متعلق ہے جو لڑائی میں حصہ نہیں لیتی۔ دراصل جناب ایس۔ اے رحمٰن صاحب نے قتل کے حکم کو مرتد مرد سے مخصوص کرنے والوں کی تقلیدی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش فرمائی ہے۔ مرتدہ عورت کے بارے میں قید کا حکم مرجوح ہونے کے باوجود موصوف کے موقف کی تائید نہیں کرتا جیسا کہ عباسی صاحب کی اگلی عبارت سے واضح ہے۔ ۱۲۔ مدیر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

کرنے ہی کے برابر ہوگی) کہ اس میں لفظ **اقتلو** جو آیا ہے اس کو حقیقی معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ اس کے مجازی معنے مراد ہوں یعنی ایسے شخص کو گمراہ سمجھ کر قتل کر دینا نہیں ہے بلکہ یہ معنے لیے جاسکتے ہیں کہ ایسے شخص کو گمراہ سمجھ لو اور جو کہتا ہے اس کی طرف توجہ نہ دو۔ اور دلائل کے سلسلہ میں انہوں نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قبیلہ خزرج کے سردار سعدؓ کی بابت جو خلافت کا امیدوار تھا فرمایا کہ **اقتلوا السعد اقتلہ اللہ** یعنی اس کو مردہ تصور کر لو اور اس کی بات کی طرف توجہ نہ دو۔ مطلب یہ ہے کہ اسی طرح **من بدل دینہ فاقتلو** میں بھی یہ معنے ہیں کہ جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اسے مردہ تصور کر لو اور اس کی جانب توجہ نہ دو یعنی اسے مجرم نہ سمجھو۔ جو کہتا ہے کہنے دو۔ قطع نظر اس کے کہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ جناب مؤلف کو خود ہی اپنی اس تاویل پر اطمینان نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہاں تو خیز ہے یہ تاویل کر بھی لی جائے۔ لیکن امام مالک کی مؤطا کے بارے ”**من ارتد عن الاسلام**“ میں لفظ قتل نہیں ہے بلکہ گلہ کاٹ دینا آیا ہے۔ **من غیر دینہ فاضربوا عنقه** یعنی جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اس کا گلا کاٹ دو، میں یہ تاویل نہیں چلے گی۔ تاہم چونکہ سزائے مرتد کی نفی مطلوب تھی اس لئے آگے چل کر انہوں نے بتایا ہے کہ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح اس حدیث کی بابت یہ ہے کہ جو مسلمان مرتد ہو کر اپنا مذہب چھپا رکھے اور اسلام کا اظہار کرے تو اس کے اس نفاق کا راز کھل جانے پر توبہ کی پرواہ کیے بغیر اسے قتل کر دینا چاہئے۔

مؤلف مدوح کو امام مالک کے اس موقف پر اعتراض ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک کے اس برتر مقام، ارتقاء اور علم کا احترام کرتے ہوئے بھی ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منافقین کے بارے میں ان کا یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے جو قتل کا حکم دیا وہ رسول اللہ ﷺ کے طریق کے خلاف ہے۔ مقام عبرت ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی ہٹ دھرمی پر آکر کس طرح حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ امام صاحب نے تو اس منافق کے قتل کو جرم ارتداد کے ثابت ہونے پر موقوف رکھا ہے۔ چنانچہ خود ہی مؤلف کتاب نے جو ترجمہ کیا اس میں یہ الفاظ ہیں:

On proof of his guilt he shall be stained.

یعنی جب اس کا جرم ارتداد ثابت ہو جائے تو اسے قتل کیا جائے۔ لیکن مؤلف کتاب یہ سمجھے کہ منافق کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مؤلف موصوف امام مالک پر خلاف پیغمبر ﷺ حکم دینے کا الزام جڑنے کے بعد ص ۶۵ بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حدیث کے الفاظ مشتبہ ہیں۔ لوگوں کو صحیح یاد نہ رہنے اور ان حالات کو نظر انداز کرنے کے باعث جو اس حدیث کا پس منظر ہیں یہ بات کہہ دی گئی تھی۔ درپردہ یہ ان لوگوں کے خلاف جو اس حدیث سے مرتد کا حکم واضح طور پر اخذ فرماتے ہیں۔ الزامات کی ایک فہرست ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ حدیث کے یہی معنے ہیں کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ اس میں اقتلو کی وہ تاویل نہیں چل سکتی کیونکہ یہ لفظ قتل نہیں بلکہ ضرب عنق (گردن کاٹ دینا) ہے تاہم محدثین نے اس کے پس منظر کو نہیں دیکھا اور اس حدیث کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ مرتد کو صرف اس صورت میں قتل کیا جائے گا جبکہ وہ حربی ہو جائے۔ کیونکہ الفاظ احادیث میں اختلاف ہے (یعنی ایک میں قتل کرنے کا حکم ہے اور دوسری میں گردن کاٹنے کا) لہذا دونوں غلط ہیں اس لئے اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ استدلال کی اس قوت کا مظاہرہ فرمانے کے بعد دوسری احادیث کے بارے میں مصنف موصوف کا رویہ بھی فروتر ہے (ص ۶۶-۶۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسے کسی شخص کو جو توحید الہی اور میری رسالت کا اعتراف کرے، قتل نہیں کیا جاسکتا سوا ان تین صورتوں کے کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو، یا شادی شدہ ہونے کے باوجود ارتکاب بدکاری کرے یا یہ کہ وہ اپنے دین سے پھر کر اپنی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (بخاری باب النفس بالنفس و ترمذی)

پھر بخاری میں ایک اور حدیث باب القسامہ میں یوں آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں صورتوں کے علاوہ کسی پر قتل کی شرعی سزا نافذ نہیں فرمائی۔ یعنی وہ جس نے ناحق قتل کا ارتکاب یا ہو یا محسن ہو کر زنا کیا ہو یا خدا اور رسول سے جنگ کر رہا ہو کہ اسلام سے پھر گیا ہو۔ ایسی ہی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس میں واجب القتل شخص کے ذکر میں الفاظ یوں ہیں کہ تیسرا وہ جو مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہو جائے۔ سنن نسائی کی ایک حدیث جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں تیسری قسم کے واجب القتل شخص کا ذکر اسی طرح ہے کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے۔ پھر سنن نسائی میں ایک اور حدیث میں مرتد کو مسلمانوں کا شمن بتایا گیا ہے۔ ابوداؤد کے باب **الحکم فی من ارتد** میں تیسرے زمرہ کے واجب القتل اشخاص کی بابت بتایا گیا ہے کہ جو لوگ محاربین باللہ والرسول ہیں انہیں یا تو قتل کر دیا جائے گا یا سولی دے دی جائے گی یا جلاوطن کر دیا جائے گا۔ یہ الفاظ سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۰ کا ہی مفہوم ہیں۔ حضرت عثمان سے اندریں باب دو احادیث مروی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے سنا ہے کہ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا قتل جائز نہیں ہے۔ وہ شخص جو مسلمان ہو کر مرتد ہو جائے یا شادی شدہ ہو کر مرتکب زنا ہو یا کسی شخص کو ناحق قتل کر دے (باب ما یحل بہ دم المسلم) اسی باب کی دوسری حدیث حضرت عثمان کی روایت کردہ ہے جس میں آخری مستوجب القتل کی بابت یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے۔ پھر جب اسلام سے نکل کر مشرکین میں جا ملے تو اس کا خون حلال ہو جائے گا۔

مولف کتاب نے ان احادیث کے الفاظ میں معمولی تفاوت کو بہانہ بنا کر، حالانکہ سب کا مفہوم ایک ہے۔ تمام احادیث کو ساقط الاعتقاد سمجھ لیا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث یہ ظاہر نہیں کرتی کہ مرتد کی کوئی سزا نہیں ہے۔ اس کی باتوں پر توجہ نہ دی جائے۔ ان احادیث کے علاوہ ایک حدیث اور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو موسیٰ اشعرمیؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور پھر معاذ بن جبلؓ بھیجے گئے۔ جب وہ یمن پہنچے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو خوش آمدید کہا اور تشریف رکھنے کی خواہش کی لیکن اس وقت ایک یہودی پیش ہوا جو مسلمان ہو کر پھر یہودی ہو گیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ خدا اور رسول کے احکامات کے بموجب پہلے اسے قتل نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ تب حضرت معاذؓ وہاں بیٹھے۔

اس واضح حدیث کی تاویل فاضل موفک کے علاوہ اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ بہت ممکن ہے کہ وہ یہودی یمن کے اسوہ غنی مدعی نبوت کی حمایت میں داخل ہو گیا ہو۔ اسود غنی وہ شخص ہے جس نے ایک فوج مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی اور آنحضرت ﷺ کے متعین فرمودہ دوا صاحب عمرو بن حزم اور خالد بن سعید کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا تھا۔

دلیل کی قوت ملاحظہ فرمائیے کہ شاید ایسا ہوا ہو، اس لئے قتل کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ اس کا قصور صرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو کر پھر اسلام سے پھر گیا تھا۔ اگر دیگر کوئی قصور مستوجبِ قتل ہو تا جو جناب مؤلف کے اپنے ذہن کی اختراع ہے تو لازم تھا کہ اس حدیث میں اس کی نشاندہی ہوتی۔ ورنہ ممکنہ نہ تھا کہ ایک شخص کو مستوجبِ قتل قرار دیا جائے اور اس کا وہ جرم نہ بتایا جائے جس کی بنا پر اسے قتل کرنا واجب ہو۔ بلکہ وہ جرم بتایا جائے جو جرم ہی نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ محارب قیدی کو قتل ہی کیا جائے۔ حضرت معاذؓ کا اصرار صرف ایک یہی قتل ہے۔

اس سلسلہ میں جناب مؤلف کی یہ دلیل بڑی معنی خیز ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے اس مرتد یہودی کے قتل کا مطالبہ اللہ اور رسول دونوں کے حکم کے بموجب کیا تھا۔ چونکہ قرآن میں مرتد کے لئے قتل کی سزا کہیں بھی موجود نہیں ہے بلکہ محارب اللہ کے لئے قتل کا حکم ہے۔ اس لئے ضرور وہ یہودی محارب تھا۔ اس قول کا تجزیہ کیا جائے تو عیاں ہو گا کہ مؤلف کے نزدیک قرآن میں تو مرتد کی سزا نہیں ہے لیکن حدیث میں ہے۔ مؤلف کے لئے تحت شعوری اعتراف سے انکار مشکل ہے کیوں کہ انہوں نے مرتد کی سزا کا ذکر نہ ہونا صرف قرآن میں بتایا ہے ورنہ وہ یہ کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل نے کتاب و سنت دونوں کی بنا پر قتل کا مطالبہ کیا تھا اور دونوں میں کہیں بھی قتل مرتد کی سزا مذکور نہیں ہے۔ اس سے بظاہر یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ مؤلف موصوف نے محارب اللہ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اسلام کے خلاف تلوار اٹھائے یعنی حربی ہو۔ حالانکہ محارب اللہ والرسول کے معنی خدا اور رسول کے احکام کے خلاف کرنے والے کے ہیں۔ اس زمرہ میں فسق و فجور، رہزنی وارتداد و بدکاری وغیرہ سب شامل ہیں اور سب کو محدثین نے محاربین باللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور قرآن حکیم میں جہاں جہاں بھی حرب اللہ والرسول کا لفظ آیا ہے۔ غالباً ہر جگہ معصیت مراد ہے۔ کہیں بھی جنگ مراد نہیں ہے۔ چنانچہ آیت **افما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الایۃ** (ماندہ ۳۳) کے تحت صاحب تفسیر ماجدی نے لکھا ہے کہ:

”محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول کے قانون کو توڑنا ہے۔“

(بحوالہ لغات لسان العرب و تاج العروس)

اور لکھا ہے کہ:

”اہل تفسیر تو سب اس طرف گئے ہیں نیز محدثین کی بھی یہی رائے ہے۔ یعنی کسی نے بھی محاربین اللہ والرسول سے حربی مراد

نہیں لیا۔“

اب کیسی غلطی ہو گی۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ صرف ایسے مرتدین مستوجب سزا ہوں جو جرائم رہزنی، نہب و قتل کا ارتکاب کریں۔ اس خیال کی حماقت کا بیان کرتے ہوئے علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ:

قطع نظر اس کے کہ حربیوں کو قتل کرنے کا حکم کہیں بھی نہیں ہے۔ ان سے مقاتلہ کا حکم ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ غرض اس آیت کا مفہوم بھی جو مؤلف کتاب نے بتایا، خود ساختہ اور افسوسناک معنوی تحریف ہے۔

ظاہر ہے کہ اس یہودی مرتد کے باب میں ان تمام قیاس آرائیوں کی بنا محض یہ ہے کہ جناب مؤلف کسی صورت نہیں چاہتے کہ مرتد کے لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے موت کا حکم ثابت ہو۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت حیرت انگیز جرأت یہ بھی فرمائی کہ حضرت معاذ بن جبل کا یہ فیصلہ محض ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔ اور شاہ ولی اللہ نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ خواہ کوئی کتنی ہی بڑی شخصیت ہو (بجز پیغمبر اسلام ﷺ کے) ضروری نہیں کہ اس کے اجتہاد کو بہر حال درست سمجھا جائے اور بحوالہ سید الشریف جرجانی بتایا ہے کہ صحابہ کی ہر بات قابل تسلیم نہیں ہے۔ یعنی حضرت معاذ کی بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب میں جناب جسٹس رحمن کی اس رائے کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے:

• **اعلمہم بالحلل والحرام معاذ**

یعنی حلال و حرام کے مسائل سب سے زیادہ جاننے والے معاذ ہیں۔

• **یجئ معاذ یوم القیامۃ امام العلماء بین یدی العلماء**

یعنی قیامت کے روز حضرت معاذ تمام علماء کے امام کی حیثیت سے علماء کے آگے آگے ہوں گے۔

• **خدا القرآن من اربعة من ابن مسعود وابی ومعاذ بن جبل وسالم**

یعنی قرآن سمجھنا چاہو تو چار اصحاب سے سمجھو۔ ابن مسعود، ابی، معاذ بن جبل اور سالم سے۔

• **قد سن لکم هذا معاذ فاصنعوا** (مسند احمد ص ۲۴)

یعنی یہ طریق کار معاذ نے بتایا ہے بس اس پر عمل کرو۔

حضرت معاذ بن جبل کی اس غلطی کا سبب بھی جناب مؤلف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ معاذ کے ذہن میں خدا اور رسول کے واضح احکام نہ تھے۔ (ص

(۷۲)

گویا غیر واضح ذہن کی بنا پر انہوں نے اس پر یہودی کے قتل پر اصرار کیا لیکن جناب مؤلف نے اس امر پر غور نہ فرمایا کہ اس تصور میں (معاذ اللہ) نہ صرف حضرت معاذ بلکہ ابو موسیٰ اشعری بھی ملوث تھے کہ انہوں نے اس یہودی کو سزائے موت دی بلکہ اس وقت کے جملہ حاضرین اور تمام صحابہ جنہوں نے بعد میں اس پر کوئی اعتراض کبھی نہیں کیا بلکہ خود ذات مبارک آنحضرت ﷺ نے بھی جن کے عہد میں یہ واقعہ پیش آیا کوئی اعتراض نہیں کیا تو کیا ان سب کے ذہن میں احکامات خدا اور رسول واضح نہ تھے؟

خدا اور رسول کے نزدیک مرتد کے واجب القتل ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ واضح اور ممکن نہیں۔

اس کے بعد مؤلف نے ان دو احادیث کو بھی محل مقید بتایا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو ارتداد کے جرم میں قتل کا حکم دیا۔ جناب مؤلف کی تحقیق اندریں باب یہ ہے کہ ان احادیث میں سے ایک حضرت عائشہؓ سے اور دوسری حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے اور دونوں کی روایات میں بعض ایسے اور ساقط نام ہیں جن کو قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا۔ لہذا یہ حدیث مشکوک ہے اور مبہم بھی ہے کیونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

اس میں اس عورت مقتولہ کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث سے یہ ظاہر نہیں ہے کہ وہ امن پسند مرتدہ تھی یا محاربہ مرتدہ۔ باوجود اس کے انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ وہ ضرور محاربہ تھی ورنہ قتل نہ کی جاتی۔ بس غلط طرز استدلال کو مصادر علی المطلوب کہتے ہیں اور فن مظاہرہ میں اس کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ احادیث دوسرے احکام و احادیث صحیحہ کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سمرائی نے قتل مرتدہ کے حق میں علامہ سرخسی حنفی کے جو دلائل نقل کئے ہیں ان میں دو عورتوں ام مروان اور ام فرقہ کے حکم قتل کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے جس میں ہر شخص کے قتل کا حکم ہے جو دین سے پھر جائے اور لکھا ہے کہ موجب قتل صرف جرم ارتداد ہے۔ خواہ وہ مرد سے سرزد ہو یا عورت سے اور اس کی تائید میں شارح بخاری علامہ عینی کے دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمر اور زہری اور ابراہیم نخعی کی رائے بوضاحت درج ہے کہ مرتد مرد ہو یا عورت۔ اگر ایمان نہ لائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتدہ عورت کے قتل کئے جانے کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ **فلم ینکر ذالک علیہ احد** کہ ایک فرد تنفس بھی ایسا نہیں جس نے اس حکم سے انکار کیا ہو اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے یہ حدیث مروی ہے:

ایما امرأۃ ارتدت عن الاسلام فارعھا فان عادت والا فاضرب عنقھا

یعنی جو عورت اسلام سے پھر جائے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی جائے اگر اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اس کی گردن اڑادی جائے۔ اس کے مقابلہ میں بعض احادیث اور تعامل صحابہ سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل کی بجائے قید و بند کا حکم ہے جس کی بنا پر انہیں قتل کرنا منع ہے اور ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کو قتل کی ممانعت ہے۔

چنانچہ خود جناب مؤلف نے اس حدیث کا ترجمہ درج فرمایا ہے کہ ”اگر کوئی عورت مرتدہ ہو جائے تو اسے قتل نہ کرو (ص ۷۲) اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرتدہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے ورنہ عورت کے قید کی کیا ضرورت تھی۔

رہا عورت مرتدہ کا حکم اس کا فیصلہ متفقہ طور پر یہی ہے کہ وہ بہر حال مجرم ضرور ہے۔ سزا کے باب میں وہ رائیں ہیں کہ اسے قتل کیا جائے یا سخت قید و بند میں رکھا جائے۔ لیکن اس باب میں بھی سب متفق ہیں کہ مرتدہ عورت بھی اگر تشدد یا فساد پر آمادہ ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ غرض یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ کسی صورت میں اس کے اس جرم کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ مرتدہ عورت کے اگرچہ قتل سے منع کیا گیا ہے تاہم اسے سخت قید و بند میں رکھے جانے کا حکم ہے۔ جو مؤلف کی رائے کے برخلاف ہے کیونکہ موصوف دنیا میں کسی سزا کے قائل ہی نہیں۔

یہ امر بجائے خود قابل غور ہے کہ مرتدہ کے واجب القتل ہونے کا جہاں کہیں بھی حکم آیا ہے۔ ہر جگہ اس کا سبب ارتداد بتایا گیا ہے۔ جس طرح قاتل کی سزا قتل بوجہ ارتکاب قتل ہے اور زانی مصن کی سزا قتل بوجہ ارتکاب زنا ہے۔ اسی طرح مرتد کی سزا قتل بوجہ ارتکاب ارتداد ہے۔ اس میں کسی جگہ حربی ہونے کا شاخصانہ موجود نہیں ہے۔ لہذا حکم قتل مرتدہ کے معنی لغت، اصطلاحاً، شرعاً اور دیانۃً اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ ارتداد جرم مستوجب سزائے موت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جرم ارتداد کی سنجیدگی اور شدت کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کردہ حدیث متعلق ابن سرح سے بھی ہوتی ہے۔ مؤلف کتاب نے اس حدیث کو بھی انوکھی تاویل و تعبیر کا ہدف بنایا ہے۔

اس واقعہ کا خلاصہ جو روایت حضرت عبداللہ بن عباس و روایت حضرت سعد بن وقاص میں مذکور ہے، یہ ہے کہ:

”ایک شخص عبداللہ بن مسرح بارگاہ رسالت کی سیکرٹری شپ سے ہٹ کر کفار سے جا ملا تھا۔ اس پر حضور نے اس کے قتل کا حکم دیا لیکن فتح مکہ کے روز اس نے حضرت عثمانؓ کے پاس پناہ لی۔ حضرت ممدوح اسے حضور کی خدمت میں لے آئے اور درخواست کی کہ اس کی بیعت قبول فرمائی جائے۔ حضور نے اسے دیکھا اور خاموش رہے۔ دوسری بار درخواست کرنے پر بھی چپ رہے۔ تیسری بار درخواست پر اس کی بیعت قبول فرمائی گئی۔ تاہم سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے جب اس کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا تو کیا تم میں سے کوئی مرد رشید ایسا نہ تھا جو اسے قتل کر دیتا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور نے اشارہ فرما دیا ہوتا۔ ارشاد ہوا کہ نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے۔“ (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب من ارتد) علمائے محدثین نے اس حدیث کی کئی زاویہ ہائے نظر سے تشریح فرمائی ہے لیکن جس امر پر سب کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ابن سرح جرم ارتداد کی پاداش میں قتل کا مستوجب ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے توبہ کر لی اور پھر مسلمان ہو گیا۔ اس لئے قتل سے بچ گیا۔ تاہم حدیث سے عیاں ہے کہ اگر اسے قتل ہی کر دیا جاتا تو قابل باز پرس نہ تھا۔ چنانچہ بعض علماء بشمول ابن ہمام کا یہی مسلک ہے کہ مرتد کو توبہ وغیرہ کا موقع دینا کوئی امر مستحب نہیں ہے اسے استتابہ کہتے ہیں ایسا کیا بھی جاسکتا ہے اور نہ بھی کیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

یہ نیاز مند اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ آخر اس حدیث سے اس موقف کو کیا تقویت پہنچتی ہے کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ جناب مؤلف نے اس کے لئے جو استدلال فرمایا ہے وہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ”اسے واجب القتل حضور ﷺ نے اس لئے قرار دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے مل کر سیاسی دشمنی کی حیثیت میں پیش ہوا تھا محض مرتد نہ تھا۔ اگر محض ارتداد کی پاداش میں حد شرعی کا مستوجب ہوتا تو حضرت عثمانؓ کا اسے پناہ دینا امکان میں نہ تھا۔

یہ امر واقعہ کہ حضرت عثمانؓ نے اسے پناہ دی، زبردست ثبوت اس بات کا ہے کہ اس کو قتل کی سزا محض ارتداد کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ مستحق سزا محارب مشرکین کے ساتھ شامل ہو جانے اور ان کی حوصلہ افزائی کے باعث تھا۔ ص ۷۷

مقام حیرت ہے کہ ایک مرتد کو اسلام کے دشمنوں میں شامل ہو جانے کے بعد جبکہ آنحضرت ﷺ نے اسے مستوجب قتل قرار دے دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا پناہ دینا جناب مؤلف کے نزدیک قابل فہم ہے لیکن محض جرم ارتداد کے مجرم کو پناہ دینا ناقابل فہم ہے ورنہ آنحلیکہ خود جناب مؤلف نے اس کے جرائم کی فہرست میں ارتداد کے علاوہ مشرکین قریش سے ساز باز کرنے، کلام الہی میں تحریف کرنے اور وحی الہی کے ساتھ تمسخر کا ذکر فرمایا ہے۔ ص ۷۷، ۷۸

میرے نزدیک تو یہ منطق ناقابل فہم ہے کہ وہ اگر محض مرتد ہوتا تو حضرت عثمانؓ اسے پناہ نہ دیتے۔ لیکن چونکہ اس نے دوسرے سنگین تر جرائم کا ارتکاب کیا تھا اور حضور نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے پناہ دی۔ اس عجیب و غریب صورت حال کو زبردست ثبوت کہنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

عجیب ہے۔ مجھے ہر گز یقین نہیں کہ ایسی اوٹ پٹانگ بات جناب مؤلف کے ذہن کی پیداوار ہو یقیناً یہ مسٹر پرویز جیسے گنجلک ذہن کی تخلیق ہو سکتی ہے۔ مؤلف نے مزید فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں دس بارہ اشخاص اور بھی مستوجب قتل قرار دیئے گئے تھے۔ اور وہ سب کے سب ایسے تھے جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور ان کے خلاف جنگ کی تھی۔ اس لئے انہیں مستوجب قتل قرار دیا گیا تھا۔ آگے فرمایا ہے کہ ان میں سے صرف چار کو قتل کیا گیا اور باقی مجرموں کو آنحضرت ﷺ نے معاف فرمادیا۔ (ص ۷۸)

اس تحقیق کے بعد کاش وہ یہ بھی بتا دیتے کہ جن کو معاف کیا گیا۔ انہیں کس حسن کارکردگی کے صلہ میں معاف فرمادیا اور جو قتل ہوئے ان کا جرم کیا تھا؟ جو ناقابل معافی تصور فرمایا گیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مؤلف محقق کو اس کا علم نہ ہو شاید کسی مصلحت سے انہوں نے بیان کرنا مناسب خیال نہیں فرمایا۔ تاہم علامہ شبلی نے ان کی تفصیل (بحوالہ زر قانی وابن ہشام یوں بیان فرمائی ہے)۔ (اواخر بیان فتح مکہ)

عام روایت کی رو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے۔ تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور ان کو معافی دے دی گئی۔ صرف چار شخص قتل ہوئے تین مرد اور ایک عورت۔ عبید اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نفید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ چار کے سوا تمام کے معاف کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ باقی چار کے قتل کا موجب یہ بتایا گیا ہے کہ:

ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے۔ ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا اور حویرث نے آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیوں کو اونٹ سے گرا دینا چاہا تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے اسے قتل کر دیا اور قریبہ ابن خطل کی لونڈی اور مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت ﷺ کے ججو میں گیت گایا کرتی تھی۔

اس بارے میں متعدد روایات ہیں جن کے الفاظ میں اختلاف ہے لیکن جس کے قتل پر سب کا اتفاق ہے۔ صرف ابن خطل تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ابن خطل کے سوا اور کسی کے قتل کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری باب فتح مکہ)

یہ شخص مرتد بھی تھا۔ اور قاتل بھی لیکن حضور نے بعض قاتلوں کو بھی مسلمان ہونے کے بعد معاف فرمادیا تھا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ابن خطل کے قتل کا صرف ایک ہی سبب تھا اور وہ اس کا مرتد ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین نے اس کا ذکر ”باب قتل المرتد“ میں کیا ہے۔

غرض اس لمبی چوڑی بحث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ محض جرم ارتداد مستوجب قتل ہے۔ اگر ان اشخاص میں سے جنہیں حضور نے فتح مکہ کے روز معاف فرمادیا تھا ایک تنفس بھی ایسا تھا جو امن پسند مرتد کی جدید اصطلاح کے پیش نظر قابل درگزر رہا تو شاید کوئی سبیل تاویل کی ممکن ہوتی۔

مؤلف کتاب نے موت کے سزاوار اشخاص جن میں سے صرف تین ایسے اشخاص کے نام بتائے ہیں جو مرتد ہو گئے تھے۔ ایک ابن سرح جو مسلمان ہو گئے اور معاف کر دیئے گئے۔ دوسرے مقید بن صبابہ جسے فتح مکہ کے روز عبد اللہ بن کلبی نے قتل کر دیا۔ تیسرا ابن خطل جسے حضور کے حکم سے قتل کیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

ابن سرح کی بیعت کے باب میں آنحضرت ﷺ کا تامل فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ بعض مرتدین کی توبہ بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ ایسے واقعات احادیث سے ثابت ہیں کہ بعض مرتدین کو استتابہ سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا اور قاتلوں سے باز پرس نہیں کی گئی۔ مقیس بن صبابہ مرتد بھی تھا اور قاتل بھی جس کے باعث اسے قتل کیا گیا اور خطل محض ارتداد کی پاداش میں قتل ہوا۔ غرض ان تمام واقعات سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد مستوجب قتل ہے۔

اسی طرح کا واقعہ قبیلہ عکلی کے ان اشخاص کا ہے جو متعدد جرائم، ارتداد اور بے رحمانہ قتل کے الزام میں گرفتار ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر کئے گئے اور انہیں اسی بے رحمی کے ساتھ قتل کا حکم ہوا۔

مؤلف کتاب کا ارشاد ہے کہ ان کو محض ارتداد کے جرم میں قتل نہیں کیا گیا بلکہ قتل اور سرقت کی پاداش میں ایسا ہوا لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ مرتد قابل تعزیر نہیں ہے بلکہ اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ ان لوگوں کو مرتد ہونے کے بعد ہی ایسے جرائم کے ارتکاب کی جرأت ہوئی۔ اگر مسلمان ہو جاتے تو بعض دوسرے مجرمین کی طرح انہیں معاف کر دیا جاتا۔ گویا اصلی سبب اکے قتل کا مرتد ہو جانا ہی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جب وہ یمن کی جانب روانہ ہوئے۔ حکم دیا تھا کہ جہاں کہیں بھی مرتد ملے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دو۔ مؤلف کتاب فرماتے ہیں۔ مولانا محمد حسن سنہجلی نے ہدایہ کے حاشیہ پر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ص ۷۹) یعنی اگر یہ ضعیف نہ ہوتی تو وہ اسے صحیح تسلیم فرما لیتے لیکن اہل علم کا حوصلہ قابل داد ہے کہ اگر وہ ایسی کوئی ضعیف ترین حدیث بھی پیش فرما دیتے جس میں ارتداد کو ناقابل سزا جرم قرار دیا گیا ہو تو وہ تسلیم کر لیتے۔ اس طرح مؤلف نے سنن ابی داؤد کی حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کو گالی دے رہی تھی۔ ایک صحابی نے اسے قتل کر دیا اور حضور ﷺ نے اس کو قصاص سے بری قرار دیا اور لکھا ہے کہ اس کے سلسلہ رواۃ میں عکرمہ اور شعبی ہیں جنہیں مشتبہ قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بھی ناقابل اعتبار ہے تاہم وہ لکھتے ہیں۔ قتل نہیں ہوئی۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی آنحضرت کو گالی دے (نعوذ باللہ) تو وہ مرتد نہیں ہے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ کتاب و سنت میں اشتغال انگیزی کی سزا قتل کہاں آئی ہے اور اگر فی الواقع ملت اسلامیہ میں ہر اشتغال انگیزی کے جرم کو قتل کا مستوجب قرار دیا ہے تو شاید ایسی جابر حکومت دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح ایک یہودی نے حضور ﷺ کو السلام علیکم کی بجائے السلام علیکم کہا (جو بد دعا کے الفاظ ہیں) اصحاب نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو رحمت مجسم نے اس سے منع فرمایا۔ مؤلف کتاب کو موقف یہ ہے کہ ایسی اشتغال انگیز حرکتیں بھی قابل معافی ہیں تو مرتد کو کیوں واجب التعزیر سمجھا جائے۔ سابقہ الذکر حدیث میں جو موقف جناب مؤلف نے اختیار فرمایا کیا یہ اس کے متضاد نہیں؟ اشتغال انگیزی اگر موجب قتل جرم ہوتا تو اسے کیوں چھوڑ دیا جاتا۔ حدیث اول تو مؤلف ممدوح کے خیال کی خود تردید ہے۔ اس سے قطع نظر کوئی جناب ممدوح کو سمجھائے کہ شرع کے تمام احکام مسلمانوں پر لاگو ہوتے ہیں۔ وہ تو یہودی تھا۔ اس پر شرعی سزا خلاف عہد اور خلاف اسلام تھی۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہو کر اس عورت کی طرح ایسی بات کرتا تو یقیناً قتل کر دیا جاتا کیا اتنی سیدھی بات بھی محل اشتباہ ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سزائے مرتد پر چند مغالطے اور ان کا دفعیہ

قتل مرتد کے باب میں اتنے واضح احکام اور اس کے خلاف اس ضعف استدلال کے باوجود موقوف کتاب کا ارشاد ہے کہ انہوں نے کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جسے اس حکم کے مستند حامیوں نے بغیر کسی تذبذب کے تسلیم کر لیا ہو (ص ۸۰) اور اس نیاز مند کا دعویٰ یہ ہے کہ اس باب میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے مرتد کے واجب القتل ہونے پر کسی بھی حق پسند کو تذبذب لاحق ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ساری کتاب میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے ارتداد کا قابلِ درگزر جرم ہونا ثابت ہو۔ (باقی آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سید محمد یوسف کراچی یونیورسٹی

استعمار اور تبشیر کے جدید ہتھکنڈے اقتصادی لالچ، مذہبی اور سیاسی تفریق ہیں
انسان دوستی اور علم و ادب کی خدمت کی آڑ میں متعدد تحریکیں صیہونیت اور استعمار کی آلہ کار ہیں
(سلسلہ مسلمان ریاستوں میں اسلامی قانون سازی کے قابل غور مسائل)

(قسط ۳)

سیاسی آزادی کے باوجود مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی کے باعث عیسائی مبشرین کی ہمت کتنی بڑھ گئی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ کویت میں پہلی بار ایک بڑا اگر تعمیر ہو رہا ہے، جس کا مینار تمام مساجد کے میناروں سے اونچا ہے۔ اس سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہنوز مغربی قوموں کے غلام ہیں اور قدرتی ذخیرے جو ان کے حصے میں آئے ہیں خود ان سے فائدہ اٹھانے اور انہیں اپنے تصرف میں رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جب یہ قدرتی ذخیرے مغربی ترقی یافتہ قوموں کے تصرف میں چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر متعلقہ مسلم ممالک کی حکومتوں کو اپنے زیر اثر رکھتی ہیں، ظاہر میں کچھ بھی وضع ہو، اندر ہی اندر فوجی طاقت اور بین الاقوامی اثر و نفوذ کمزور کو دبائے رکھنے کے کافی ہوتا ہے، پھر وہی بات آتی ہے کہ مغربی طاقتیں جو اندرون ملک کلیسا سے بے تعلق اور بیزار رہتی ہیں، بیرون ملک مبشرین کی پشت پناہی کرتی ہیں۔ حد ہو گئی کہ ایک جہاز خاص طور پر تبشیر یا عیسائیت کے پرچار کی غرض سے تیار کیا گیا اور اسے جزیرہ عرب کے گرد سطح سمندر سے کارروائی کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ خدا نے شاہ فیصل کو یہ توفیق دی کہ انہوں نے بروقت اس کا سدباب کیا۔

آسٹریلیا کے ایک نوجوان ڈینس واکر نو مسلم ہیں۔ عربی سیکھی ہے، ملبورن یونیورسٹی میں اسلامیات کے اسکالر ہیں۔ زلف بنگال کے اسیر ہیں۔ بیوی اس خطہ سے تعلق رکھتی ہے جو کبھی مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔ انہوں نے بنگلہ دیش میں عیسائی مشنریوں کی اسلام دشمن کارروائیوں پر مقالہ پڑھا۔ انہوں نے بتایا کہ اس بارے میں حکومت پاکستان یا تو غافل رہی یا وہ بے بس تھی۔ جب سارے غیر ملکی اخباری نمائندے ملک سے نکال دیئے گئے اس وقت بھی یہ عیسائی مشنری معمولی پاسپورٹ پر بلا روک ٹوک آتے جاتے رہے۔ حکومت کی طرف سے ان پر کوئی نگرانی نہ تھی اور پاکستان کے ٹکڑے کرنا ان کا مقدس فریضہ تھا جس کے لئے انہوں نے کوئی کوشش کوئی مکرو حیلہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں۔ وہ شروع ہی سے اس مقصد کے لئے کام کر رہے تھے۔

جس شام ڈینس واکر نے مقالہ پڑھا اسی روز صبح حکومت الجزائر کی طرف سے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان ہوا تھا۔ ڈینس واکر نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ مسلم ممالک کی بے تعلقی بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو یتیم بنا کر تبشیر اور دوسرے اسلام دشمن اثرات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گی۔ لیکن یہ بات اہمیت سے خالی نہیں کہ گو مقالہ نگار نے مقالہ سے ہٹ کر الجزائر کے فیصلہ کی تائید میں پورا زور لگایا لیکن مندوبین میں سے تقریباً سبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے اس پر تبصرہ کرنے سے احتراز کیا۔

یہ موضوع ایسا تھا کہ پاکستان کے عروج و زوال اور اس کے اسباب پر تبصرہ کا دروازہ کھل گیا۔ ایک مصری کرم فرما کو یاد آیا کہ عرب لیگ کے ایک معزز عہدیدار نے قائد اعظم کو خبردار کیا تھا کہ پاکستان کی بنیاد کمزور ہے۔ مشرق کا سرِ مغرب سے ملانا آسمان زمین کے قلابے ملانے سے کم نہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ پاکستان پر اصرار کرنے سے پہلے قائد اعظم ایک مرتبہ اور غور کر لیں۔ ازہر کے علماء نے بڑے اخلاص اور دلسوزی سے پاکستان کے سانحہ کو سارے عالم اسلام کا سانحہ قرار دیا، لیکن اس کی ذمہ داری تمام تر پاکستان کی حکومت، انتظامیہ اور فوجی قیادت پر ڈالی۔ حکام کے بدکردار، شراب نوشی، رقص، فسق و فجور کا کھلے الفاظ میں ذکر کیا۔ استاذ محمد عبداللہ عنان بلند پایہ مورخ ہیں، گفتگو میں وقار، افکار سلجھے ہوئے۔ بات دو ٹوک کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے گناہوں اپنی تقصیروں سے کسے انکار؟ لیکن یہ تاریخی حقیقت بھی تو واشگاف ہے کہ روس اور ہندوستان (ہندو قوم اور ہندوستان کی حکومت) اسلام کے ازلی دشمن ہیں، انہوں نے مکرو حیلہ سے، سیاسی چال بازی سے ایسے حالات پیدا کیے جن سے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں فائدہ اٹھا سکیں، پھر ان دونوں نے فوجی گٹھ جوڑ کیا اور ننگی طاقت اور کھلی جارحیت کے ذریعہ ایک مسلم مملکت کے دو ٹکڑے کر کے اسے ادھ مرا کر دیا۔ جو کچھ ہوا وہ محض پیش خیمہ ہے اور بہت سے واقعات کا جوہر پر دہ ایام میں ہیں۔ کانفرنس ہال سے ہم سیدھے رات آٹھ بجے ہوٹل پہنچے، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی کیا دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر افغانستان کے انقلاب کی خبریں آرہی ہیں۔ سب ساتھیوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا، میں نے جواباً انگلی سے استاذ محمد عبداللہ عنان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں پاکستان کے نام سے کترتا تھا اور دوسروں نے بھی نہ جانے کیوں پاکستان کا ذکر چھوڑ دیا۔

استاذ محمد عبداللہ عنان کی ایک اور بات یاد آتی ہے۔ بے تکلفانہ نجی محفل تھی۔ خلیج فارسی کا ذکر آیا، ایک صاحب بولے ’خلیج عربی‘ (جمال عبد الناصر سمجھتے تھے کہ نام بدل کر وہ عرب قومیت کی جنگ جیت لیں گے) اور ایران کے ڈاکٹر شہیدی سے داد کے طالب ہوئے۔ انہوں نے کہا، قدیم عرب جغرافیہ نویس اور مورخ کیا کہتے ہیں؟ محمد عبداللہ عنان بولے: ”خلیج فارسی“ اور ”بحر عرب“۔ عربی اور عجمی سب نے کہا۔ ”بالکل صحیح“۔

تبشیر اور استعمار کے ذیل میں ان فرقوں کا بھی ذکر آیا جو دورِ جدید میں مسلمانوں میں پیدا ہوئے اور جنہیں استعماری طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ استعماری طاقتوں نے ایک طرف تو عیسائیت کے پرچار کے ذریعہ اسلام پر باہر سے حملہ کیا، دوسری طرف مسلمانوں کو اندر سے کمزور کرنے کے لئے نئے نئے فرقوں کی سرپرستی کر کے اسلام کو گندا کیا اور مسلمانوں کی یک جہتی ختم کی۔ اس کی سب سے نمایاں مثال ”بہائیت“ ہے۔ چنانچہ ایران کی تاریخ بتاتی ہے کہ دین میں تحریف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ فرقہ ایران کی سلامتی کے لئے ایک سیاسی خطرہ ثابت ہوا۔ بہائیت کے بعد دوسرا نام قادیانیت کا آیا۔ ایک نہیں متعدد مندوبین نے تفصیلی معلومات کے ساتھ اور بڑے جذباتی انداز میں بہائیت اور قادیانیت کو ایک ہی خانہ میں رکھا اور کہا کہ قادیانیت پاکستان (باقی ماندہ پاکستان) کے لئے ویسا ہی خطرہ ہے جیسا بہائیت ایران کے لئے۔ میرے لئے یہ چیز خاصی تعجب انگیز تھی اس لئے کہ آٹھ نومبر سے پہلے کا میرا تجربہ یہ تھا کہ عربوں کو قادیانیت سے نہ دلچسپی تھی نہ اس کی بابت معلومات۔

جب میں نے سراغ لگایا تو اندازہ ہوا کہ یہ سب مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں اور تقریروں کا اثر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان ریاستوں میں اسلامی قانون سازی کے قابل غور مسائل

جو حکومتیں بین الاقوامی تعلقات میں ایک پیشہ ور فارن سروس پر تکیہ کرتی ہیں ان کے لئے اس میں ایک سبق ہے۔ فارن سروس نہ تو دوسرے ملکوں کی زبان جانتی ہے، نہ ان کی تاریخ سے واقفیت رکھتی ہے، نہ ان کے حال سے باخبر ہوتی ہے۔ ایک مقررہ ضابطہ کے مطابق انگریزی زبان میں دوسرے ملکوں کی وزارت خارجہ سے تعلق رکھتی ہے اور بس۔ یہ کام علماء کا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کے علماء اور عوام سے رابطہ قائم رکھیں۔ وہ حکومتیں جنہیں اپنے ملک کا مفاد عزیز ہوتا ہے وہ علماء کو نظر انداز کرنے کے بجائے ان کے مشورے سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ خدا کرے ہماری حکومت قادیانیت کے بارے میں عرب علماء اور عوام کے بڑھتے ہوئے جذبات سے باخبر ہو۔ حقائق کا علم ہر شعبہ زندگی میں مفید ہوتا ہے۔ آٹھ نو سال پہلے سر محمد ظفر اللہ کی ان خدمات کا ذکر ہوتا تھا جو انہوں نے اقوام متحدہ میں عربوں کی حمایت کے لئے انجام دی تھیں، آج اس کے ساتھ ساتھ قادیانیت پر بھی تبصرہ ہوتا ہے۔ حکومتیں ڈپلوماسی زبان بندی اور احتیاط پر عمل پیرا ہیں۔ اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

بات آگے بڑھی اور ان تحریکات تک جا پہنچی جن سے انسان دوستی کا پردہ چاک ہو چکا ہے اور تخریب کاری عیاں ہو چکی ہے۔ ان میں سرفہرست ماسونیت (Masonic) تحریک اور اس کے بعد روٹری کلب، لانسز کلب اور بعض نام نہاد علمی اور ادبی تحریکیں سب شامل تھیں۔ پاکستان میں کم لوگ جانتے ہیں کہ چند سال پہلے عرب ادیبوں نے فرینکلن فاؤنڈیشن کے خلاف شور اٹھایا تھا کہ امریکی بخشش کے سہارے جینے کا عادی بنانے اور عرب ضمیر کو مردہ کرنے کی ایک سازش ہے۔ یہ ادارہ جو ترجمے کرتا ہے اس میں سے کچھ پروپیگنڈے کے کام آتے ہیں۔ باقی ردی میں جاتے ہیں اور کوئی انہیں مفت بھی نہیں لیتا۔ اس سب سے صرف اتنا مقصد حاصل ہوتا ہے کہ ادیب امریکہ کے نمک خوار بن جاتے ہیں اور ان کی تخلیقی صلاحیتیں ٹھٹھ کر رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح کچھ اور علمی ادبی تحریکیں ہیں جو ”فکر مستعار“ کو ”فکر نو“ سمجھتی ہیں اور باہر سے آنے والے وحی اور بسا اوقات ”حق خدمت“ کی منظر رہتی ہیں۔ خیر! الجزائر کے اجتماع میں علمی ادبی تحریکوں کا محض ضمنی طور پر ذکر ہوا، اصل موضوع ماسونیت، روٹری کلب، لانسز کلب تھا۔ تمام مندوبین کی متفقہ رائے تھی کہ مسلم حکومتوں کو اس سلسلے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان سب تحریکوں کے خلاف سخت اقدام کرنا چاہئے۔ میں نے جب اپنی تقریر کے دوران بتایا کہ حکومت پاکستان نے ماسونی (Masonic) تحریک پر پابندی لگا دی ہے، اسے خلاف قانون قرار دے دیا ہے اور اس کی تمام املاک ضبط کرنے کا حکم صادر کر دیا ہے تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا، پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان طالبعلموں نے تحسین و آفرین کے نعرے بھی بلند کیے۔ تقریر کے بعد مندوبین نے دلی مسرت کا اظہار کیا، ساتھ ہی ساتھ افسوس بھی کیا کہ اس قسم کی خبریں ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ جن کا کام ہے کہ خبریں پہنچائیں وہ بھی نہیں پہنچاتے۔ بعض کا مشورہ تھا کہ جب حکومت پاکستان نے یہ اقدام کیا ہے تو اس کے سامنے ضرور اس تحریک سے متعلق ٹھوس حقائق ہوں گے۔ حکومت پاکستان کیوں ان حقائق سے دوسرے ممالک کو آگاہ نہیں کرتی؟ یہ کام خالص ڈپلوماسی طریقوں سے ہی انجام پا سکتا ہے۔ بعض مندوبین کا اصرار تھا کہ اتنا کافی نہیں، جو لوگ اس تحریک سے وابستہ رہے ہیں انہیں کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے۔ خلافت عثمانیہ کے زوال میں ماسونیت کا جو حصہ ہے اور عالمی صیہونیت سے اس کا جو رشتہ ہے اس کے پیش نظر اس تحریک کے ساتھ وابستگی کو دین و وطن سے غداری کے مترادف قرار دیا جانا چاہئے۔ اس پر سب کا اتفاق تھا کہ اتنی آنکھیں کھل جانے کے بعد روٹری اور لانسز کے ساتھ نرمی برتنا حماقت ہے، بلکہ اندیشہ ہے کہ جو لوگ بغیر سزا پائے ماسونیت سے نکلیں گے وہ روٹری اور لانسز میں پناہ لیں گے اور ان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان ریاستوں میں اسلامی قانون سازی کے قابل غور مسائل

تبشیر و استعمار کی بحث شاخ در شاخ پھیلتی چلی گئی۔ بہت سے پہلو اجاگر ہوئے جو عام نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور جن کا صحیح اندازہ صرف علماء ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن آخر میں جب پیشہ ور اسلامی مبلغین شریک ہوئے تو یکایک بحث کا معیار گرا اور محض سطحی اور جذباتی ہو گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ مناظرہ ہو رہا ہے۔ اور عیسائی پادریوں کو ان کی عدم موجودگی میں شکست پر شکست دے کر پسپا کیا جا رہا ہے۔ میں نے توجہ دلائی کہ مناظروں کا زمانہ کب کالہ چکا۔ اب تبشیر نے بالخصوص اسلامی ممالک کی نام نہاد سیاسی آزادی کے بعد سے اپنی تکنیک یکسر بدل دی ہے۔ اب مبشرین ’افتاح‘ یعنی دلیل اور حجت سے قلب کو مطمئن کرنے کے بجائے ’اغراء‘ کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اغراء یہ ہے کہ وہ مسلم عوام کے فقر و افلاس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور مادی منافع اور دنیاوی جاہ و عزت کا لالچ دے کر انہیں عیسائی بناتے ہیں۔ مسلم ممالک کو مغربی قوموں سے جو مختلف قسم کی امداد ملتی ہے اور ناگہانی آفات ارضی و سماوی، طوفان و سیلاب میں ان کی طرف سے انسانی ہمدردی کے نام پر جو کام کیے جاتے ہیں، ان سب میں سیاسی مقاصد تو پنہاں ہوتے ہی ہیں۔ تبشیری ادارے بھی کسی نہ کسی شکل میں حصہ لگاتے ہیں اور اپنے مقاصد کو فروغ دیتے ہیں۔ پاکستان میں گزشتہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں عیسائیت کو جو غیر معمولی فروغ ہوا ہے وہ اسی طریقے سے ہوا ہے۔ مناظرہ ایک بھی نہیں ہوا۔

اور اغراء کا عمل شہر کے نچلے طبقوں میں اور گاؤں گاؤں مصیبت زدہ لوگوں میں ہوتا رہا جس کے نتائج آج آنکھوں کے سامنے ہیں (کراچی میں جب خاکروب اسٹراٹک کرتے ہیں واس کے پیچھے پیران کلیسا کا ہاتھ ہوتا ہے) کبھی کبھی جب عیسائی مشنریوں کی کارروائیاں سیاسی رنگ اختیار کر لیتی ہیں تو ہندوستان کی حکومت بھی ان کے خلاف اقدام کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اور بالکل کلیسا کے نمونہ پر پیشہ ور اسلامی مبلغین کی ایک جماعت تیار کی ہے جسے جائز اور ناجائز طریقوں سے دولت اکٹھا کرنے والے سیٹھ مال فراہم کرتے ہیں۔ یہ اسلامی مبلغین اپنے گھر کو بلا مزاحمت عیسائی مشنریوں کے حوالہ کر کے افریقہ جیسے دور دراز ممالک کے دورے کرتے ہیں، نہ تو عیسائی مشنریوں کی طرح مقامی زبانیں سیکھتے ہیں، نہ جنگلی غیر متمدن علاقوں میں رہنے کے لئے اپنی عمر وقف کرتے ہیں۔ بس چند دن میں دین اور دنیا کی بھلائی کما کر واپس آ جاتے ہیں۔ اس عمل کی اپنی جگہ جو بھی وقعت ہو، کیا اسلام کی خدمت میں اس کو اولیت اور اہمیت حاصل نہیں کہ اسلامی معاشرہ سے فقر، افلاس، جہل اور مرض کا خاتمہ کیا جائے جس سے مشنریوں کو ”اغراء“ کے سراسر غیر اخلاقی عمل سے روکنے کے لئے سخت سے سخت اقدام کریں۔ لیکن آخر ایسا کیوں ہے کہ اسلامی معاشرہ کا وفاق فقر کیوں کفر (فقر اور کفر میں بہت تھوڑا فرق ہوتا ہے) کی تفسیر بنا ہوا ہے۔ کیا یہ بھی تقدیر کا لکھا ہے جو بدل نہیں سکتا۔

استاذ عثمان الکعاک نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ پہلے درجہ میں اسلامی معاشرہ کو صحیح اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیم رائج کی جائے، جب ایسا ہو گا تو اسلام آپ اپنا اعلان و اشتہار ہو گا، اسے کسی پروپیگنڈے کی ضرورت نہ ہو گی اور اس کی خوشبو خود بخود پھیلے گی۔ اس کے بعد ہی دوسرے درجہ میں تبلیغ موثر و فعال ہو گی اور آسان بھی۔ اقتصادی بد حالی سے دین اسلام کو بڑے پیمانہ پر مستقبل قریب میں کیا خطرہ لاحق ہے۔ اس کی نمایاں مثال انڈونیشیا ہے۔ سارے اجتماع میں اس کا بڑا چرچا رہا اور گہری تشویش کا اظہار کیا گیا کہ عیسائی تبشیری اداروں نے مل کر دس سے بیس سال کے عرصہ میں انڈونیشیا کو عیسائی بنانے کا ایک زبردست جامع منصوبہ تیار کیا ہے۔ یہ ”اندیشہ ہائے دور دراز“ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جو ضبط تحریر میں آچکی ہے اور جس پر انڈونیشیا کی موجودہ حکومت کی مجبوریوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عمل بھی شروع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان ریاستوں میں اسلامی قانون سازی کے قابل غور مسائل

ہو گیا ہے۔ استاد عدلال فاسی نے تاریخ پس منظر کے ساتھ صورت حال کی عالمانہ تحلیل کی اور تفصیل کے ساتھ پورے وثوق سے لکھا:

پہلی عالمی جنگ سے قبل ہی ہالینڈ نے انڈونیشیا کے باشندوں کو بالکل الگ تھلک کر دیا اور عالم اسلامی سے ان کا تعلق منقطع کر دیا حتیٰ کہ اسلامی لٹریچر بھی ان تک پہنچنا دشوار کر دیا۔ اس طرح استعمار نے عیسائیت کے حملہ کی راہ ہموار کی۔ طویل جہاد کے بعد انڈونیشیا آزاد ہوا۔ جمہور نے اکثریت کے ساتھ مسجومی پارٹی کو چنا، جو اسلامی وطنی بنیاد پر قائم تھی اور جس کے صدر محمد ناصر تھے۔ فوراً ہی ہندوستان اور ہالینڈ نے سوکارنو کو آگے بڑھایا اور ان کی زبردست مالی امداد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے انتخابات میں اکثریت حزب وطنی کو حاصل ہوئی جس کے صدر خٹاپہیں۔ گو خٹاپہ اپنی ذات سے نیک دل مسلمان ہیں لیکن سوکارنو کے طرز عمل نے مخلص مسلمانوں اور اشتراکیوں کو بغاوت پر مجبور کر دیا۔ اور وہ ان مسلمانوں سے جا ملے جو پہاڑوں میں اپنا مرکز قائم کیے ہوئے اسلامی حکومت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مسجومی پارٹی سے نمٹنے کے لئے سوکارنو نے عوامی چین کی حکومت سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی رو سے کئی ملین انڈونیشیائی بے والے چینوں کو انڈونیشی جنسیت (نیشنلٹی) سے نوازا گیا اس سے انڈونیشی کمیونسٹ پارٹی کو اتنی تقویت ہوئی کہ وہ ملک کی تیسری پارٹی شمار ہونے لگی۔ سوکارنو نے ادھر کمیونسٹوں سے ساز باز کی، ادھر جمعیۃ العلماء کے نام سے ایک اسلامی جماعت قائم کی۔ اس طرح یہ تین جماعتیں حکومت کی مالک بن بیٹھیں اور انہوں نے حزب اشتراکی اور دیگر جماعتوں کو کالعدم کر دیا اور حفظ امن کے بہانے اسلامی جماعتوں اور اداروں کا گلا گھونٹ دیا۔

بالآخر اسلامی حمیت رکھنے والے طلبہ سوکارنو اور ان کے حلیف کمیونسٹوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ جمہور کو ایک مرتبہ پھر نئی حکومت منتخب کرنے کا حق دیا جاتا، لیکن ہوا یہ کہ چونکہ فوجی جنرل طلبہ کی بغاوت میں شامل تھے اور اس وقت سوہارتو کو طلبہ کا اعتماد حاصل تھا اس لئے وہ بآسانی صدارت پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے ملک میں ایسی حکومت بنائی جو دائیں بازو کی ہے نہ بائیں بازو کی۔ البتہ اس پر امریکہ اور مغربی طاقتوں کی دخل اندازی کا خوف چھایا ہوا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس نے آزادی عقیدہ کے نام پر عیسائی مشنریوں کو ہر قسم کی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ آج انڈونیشیا پر عیسائیت کا حملہ کہیں زیادہ قوی اور شدید ہے بہ نسبت اس کے جو ہالینڈ کی حکومت کے دور میں تھا۔ مندرجہ ذیل تفصیل قابل لحاظ ہیں۔

ویٹیکن (پاپائے روم) نے ایک کارڈینال اور ۲۱ پادری اس عیسائیت کے حملہ کی نگرانی کے لئے تعینات کیے ہیں۔ کیتھولک کلیسا نے حال میں اپنے حملہ کا آغاز ان علاقوں میں کیا ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس حملہ میں مغربی ممالک کے فراہم کیے ہوئے زبردست مادی اور مالی وسائل سے کام لیا جا رہا ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ نے الگ اپنا ایک جامع ۱۰-۲۰ سالہ منصوبہ بنایا ہے جسے ایک کتاب کی شکل میں شائع بھی کر دیا ہے۔ کتاب کا عنوان ہے ”ہمارا آج کا فرض انڈونیشیا میں۔“ اس منصوبہ کی تیاری میں علمی تجربات، مسلمانوں سے متعلق دینی واجتماعی معلومات، نیز سائنس کی ایجادات سے کام لیا گیا ہے۔ اس منصوبہ کے مطابق جابجا کلیسا، مدرسوں اور ہسپتالوں کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عیسائیت کا پرچار کرنے والے مردوں کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے گھروں میں جا کر عورتوں کو ہر طرح کا لالچ دیتے ہیں اور اپنے دام میں گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان ریاستوں میں اسلامی قانون سازی کے قابل غور مسائل

استاذ مصطفیٰ الزرقانی نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ شام اور آس پاس کے عرب ممالک میں عیسائیت کا پرچار کرنے والوں نے مقامی حالات کے پیش نظر یہ کیا ہے کہ بعض دلچسپ عام موضوعات پر (مثلاً مہمانوں کے استقبال کے آداب، قواعد صحت، گھر کی آرائش) خوبصورت چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کی ہیں جو بظاہر بے ضرر معلوم ہوتی ہیں لیکن ان میں اول آخر کہیں نہ کہیں عیسائیت کا پرچار ہوتا ہے۔ کلیسا کے لوگ وقت بے وقت گھر گھر جا کر یہ کتابیں فروخت کرتے ہیں اور اچھی خاصی قیمت وصول کرتے ہیں، گویا مسلمانوں سے پیسہ لے کر انہیں عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔

ہاں! تو انڈونیشیاء کی بابت یہ ہے کہ وہاں تبشیری ادارے کسی بھی بڑی سے بڑی مہم کے لئے تیار ہیں، قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور داخلی معاملات میں دخل دیتے ہیں، آریانا میں جب حق خود ارادی کے ذیل میں رائے شماری ہو رہی تھی تو انہی کلیسا والوں نے انڈونیشی حکومت کے خلاف بغاوت کی سازش کی جو پکڑی گئی۔

استاد علل فاسی آگے چل کر لکھتے ہیں: یہ بھی یاد ہو گا کہ سوکارنو کے عہد میں جب کمیونسٹوں کا زور تھا تو انڈونیشیاء اقتصادی طور پر دیوالیہ ہو گیا تھا۔ یہ ایک معجزہ سے کم نہیں کہ انڈونیشیاء نے اپنے آپ کو کمیونسٹوں کے چنگل سے چھڑایا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ امریکہ نے کیا کیا؟ وہی امریکہ جس نے ویت نام میں کمیونزم کو پسپا کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ اس نے اور دیگر مغربی طاقتوں نے انڈونیشیاء سے ناک چنے چبوائے، اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ تب جا کر قرضوں کی ادائیگی میں مہلت دی اور ناکافی بعد از وقت اقتصادی امداد دی۔ اہم بات یہ ہے کہ اس اقتصادی امداد میں تبشیری اداروں کو باقاعدہ شریک کیا گیا۔ اس اقتصادی امداد کے ذیل میں بہت سے پروگرام ایسے ہیں جن کی نگرانی براہ راست مبشرین کو سونپی گئی ہے۔ مثلاً بون کی حکومت نے جو اٹھارہ ملین مارک کی رقم دی ہے وہ مبشرین کے تصرف میں ہے۔ انڈونیشیاء کے وہ علاقے جہاں کے باشندے ہر دین سے نا آشنا ہیں۔ مثلاً کالیمانتان کے دایاک قبائل وہاں کلیسا کے لوگ ”اغراء“ یعنی مادی فوائد کا لالچ پیش از پیش لئے ہوئے پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ کالیمانتان کے علاقہ میں حمل و نقل نہروں کے ذریعہ ہوتا ہے جس میں خاصی دشواری ہوتی ہے اور بہت وقت لگتا ہے۔ کلیسا کے کارندے چھوٹے جہازوں کے مالک ہیں اور ہر قسم کی مشینیں اور آلات رکھتے ہیں۔ جولائی ۱۹۷۲ء میں جاکارتا کے اخباروں نے یہ خبر شائع کی تھی کہ کیتھولک مشن نے انڈونیشی حکومت کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے کیتھولک مشن کو یہ حق ہو گا کہ غذائی مواد اور دوائیں ڈیوٹی سے مستثنیٰ درآمد کرے اور کالیمانتان کے علاقہ میں پہنچائے۔ پنجسالہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں بھی کلیسا نے اپنے ”تعاون“ کی پیش کش کی ہے۔

جب کبھی مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں اور وہ اسلام کے دفاع کا حق استعمال کرتے ہیں تو تبشیری ادارے ساری دنیا میں شور مچاتے ہیں کہ مذہبی رواداری نہیں اور آزادی ضمیر اور انسانی حقوق کا خون ہو رہا ہے۔ یہ آزادی ضمیر کا نعرہ وہی لگاتے ہیں جو بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے انسانی ضمیر خریدتے پھرتے ہیں۔ لیکن انڈونیشی حکومت اس پر وپیگنڈے سے ڈرتی ہے۔ اور یہی اصل کمزوری ہے۔

انڈونیشیاء اس شد و مد سے موضوع بحث بنارہا اور انڈونیشیاء کے نمائندے مہربل بیٹھے رہے۔ (باقی آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محمد امین سابق عمانوئیل مہنگا پادری

اسلام۔ ایک نو مسلم فرانسیسی پادری کی نظر میں

1. میرے قدیم آبائی مذہب کے متعلق میرے شکوک اور اس مذہب کے بے دلیل عقائد نے مجھے مذہب سے بے زار کر کے دینی حدود میں دھکیل دیا تھا لیکن اسلام کی حقائق آفریں تعلیمات کی روشنی مجھے لادینی سے سلامتی کی راہ پر لے آئی ہے۔ صمیم قلب کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اسی نے مجھے ظلمت سے نور کی طرف کھینچا اور بہیمانہ زندگی سے نکل کر حیاتِ انسانی کی آغوش میں پہنچ گیا۔
2. شومینے قسمت انگلستان نہایت ہی تنگ ظرف و متعصب واقع ہوا ہے۔ اس میں فلسفہ کا فقدان ہے۔ اس لئے اس کے بالمقابل دین اسلام سچا مذہب ہے جس میں روحانیت و صداقت، علم و عرفان کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔
3. بائبل کے ماننے والے آج اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں کیونکہ بائبل کی صحت تو مشکوک ہو گئی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہی کہ طلبِ حق و صداقت کے لئے اس کی ورق گردانی کی جائے۔ اب طالبِ حق کی تشفی اسلام میں ہی ہو سکتی ہے۔
4. میں نے بہت سے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا لیکن اسلام کی تعلیم میرے دل پر دوسرے مذاہب سے بڑھ کر اثر کرتی ہے۔ کیونکہ اس نے سکھایا کہ کوئی شخص اس کبریائی کا مالک نہیں جو ہمارے خالق حقیقی خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ حالانکہ دوسرے مذاہب میں ایسے دیوتا اور اولیاء موجود ہیں جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور ان سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ بائبل کو مسیحی کلیسائے روم سے مطابقت دینے کے لئے اس قدر محرف و متبدل بنایا گیا ہے کہ اس کی صداقت پر یقین کرنا مشکل ہے۔
5. یہ معمہ حل طلب ہے کہ رومن کیتھولک و پروٹسٹنٹ مذہب کے اکابر علماء اور ان کی دیگر جماعتیں کیوں اسلام کے متعلق غلط بیانیاں پھیلا کر اسے مجموعہ توہمات قرار دے رہی ہیں۔ جبکہ وہ سب کے سب خود بھی غلط بندشوں، رواجات و رسومات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں جن سے بیسیویں صدی سے کہیں بڑھ کر گزشتہ تین ہزار سال کے صنم پرست مصر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں خوش ہوں کہ مجھے ان باطلیات سے بدرجہا بہتر و معقول چیزیں مل گئی ہے۔
6. اسلام خالق و مخلوق کے درمیان رشتہٴ امن و اتحاد قائم کرتا ہے۔ اسلام میں ربانی احکام پر بندگانِ خدا سے نیک سلوک کرنا ایک افضل ترین نصب العین ہے۔ اسلام عقل، فہم، ادراک اور دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔
7. اسلام کے تصور میں اتنی وسعت ہے جتنی کہ بذاتِ خود انسانیت میں اور یہ کفارہ یا شفاعت اور نجات ایسے عقائد سے جو مسیحی مذہب کی بنیاد ہیں، پاک و مبرا ہے۔ میں نے بہت سے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا، اور اسے اپنے رفقاء اور احباب کو دیتا رہا تاکہ وہ اس حق و صداقت کو اپنا سکیں جو بڑی دیر سے ان سے پوشیدہ تھا۔
8. میں نے اسلام جیسا اور کوئی دوسرا جمہوری مذہب نہیں پایا، جو مکمل، اکمل اور حوصلہ افزا ہو اور نہ اسلام کے سوا اور کوئی ایسا راستہ نظر آتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جو اطمینانِ قلب اور تسکینِ حیات کا باعث ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حیاتِ اخروی کے لئے مواعظِ حسنہ کا حامل ہو۔

9. میں نے بڑی کاوش اور جستجو سے اسلام کا مطالعہ کی، اس کی تعلیمات کا دوسرے مذاہب کی تعلیمات سے مقابلہ کیا اور انجام کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ صرف رسول اللہ ﷺ کا ہی دین ہے جو الہیات کا مظہر ہے جو اہل علم و دانش طبقہ الناس کے روحانی جذبات کو تسکین دیتا ہے۔

10. اسلام میں ہمیں شفاعت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا خدا رحمن و رحیم ہے۔ ہم پیدا نشی گناہگار نہیں بلکہ اس دنیا میں سفید و شفاف برف کی طرح پاک و مزلّیٰ روح لے کر آئے ہیں۔ ہمیں خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے مواقع حاصل ہیں۔ مگر مسیحی عقائد کی رو سے ہم اس وقت تک خدائی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک پستمر نہ لیں۔

11. مسیحی تعلیمات بہت ہی تحمّانہ اور ادعائی ہیں۔ آپ کتنی ہی معزز و مشرف زندگی بسر کریں لیکن اگر آپ کو اطمینانِ قلب اور روح کا چین و قرار میسر نہیں ہے تو یہ زندگی بیکار محض ہے۔ اسلام کی سادگیِ حسن نے ہمیں امن و آتشی سے ہمکنار کیا ہے اور ہم کامل طور پر خوشی و مسرت کی مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں۔

12. اسلامی لٹریچر اور قرآن کریم کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمان ہونا دنیا کی بہترین نعمت سے متمتع ہونا ہے۔ دینِ اسلام عالمگیر و وسعت رکھتا ہے۔ ابدی اور ازلی۔ مظہر و مزلّیٰ اور الہامی ہے۔ ورنہ ہر گز ہر گز پھل پھول نہیں سکتا تھا۔

13. بدی سے اجتناب اور نیکی کی افزائش اور اس کی نشر و اشاعت کا نام اسلام ہے۔ ہم سب اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

14. اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ فرق ہے کہ دوسرے مذاہب تو یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ذریعہ عمل ہو سکتا ہے لیکن اسلام کہتا ہے کہ عمل کے ذریعہ ایمان ہو۔

15. اسلام ایک دلربا مذہب ہے اس مذہب حقہ کے پاک اور سیدھے سادھے اصول اور فطری قانونِ محیر العقول ہیں۔

16. اسلام کے خصوصی خط و خال جنہوں نے میرے دل میں گھر کر لیا، وہ توحید باری تعالیٰ، فرقہ بندی کے جھیلوں سے آزادی اور خالق و مخلوق کے درمیان کسی وسیلے کا نہ ہونا ہے۔

17. میں نے تقریباً ہر مذہب کی کتابیں پڑھی ہیں۔ اسلام کے متعلق بھی کثیر مطالعہ کیا ہے۔ جوں جوں میں اسلام کا مطالعہ کرتا جاتا تھا۔ مجھے یقین ہوتا جاتا تھا کہ یہ بنی نوع انسان کا حقیقی مذہب ہے۔ اس پر چل کر ہی انسان اپنی ذات میں مکمل ہو سکتا ہے اور اپنے مقاصد سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

18. اسلام کا تمام نسل انسانی پر یہ بڑا احسان ہے اور کسی دوسرے مذہب یا سوسائٹی کو اس قدر عظیم کامیابی حاصل نہیں۔ تمام نسل انسانی میں مساوات برادری ہر ایک کو ترقی کے برابر کے مواقع زندگی کے معیار اور ہر بات میں مساوی حقوق کا درجہ دیا۔ ہر ایک کو اپنی سعی و عمل کے نتائج کی برابر کی ضمانت دی۔ اسلام کے نظامِ حیات میں کالے اور گورے میں امتیاز نہیں۔ اسلام تمام نسل انسانی کو ایک ہی کنبہ کے افراد تصور کرتا ہے۔ افریقہ، انڈیا، انڈونیشیا حتیٰ کہ جاپان تک ہر قوم اور ہر نسل کے انسانوں، قوموں اور نسلوں میں جن میں بے شمار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اختلافات بھی موجود ہیں ان میں مصالحت موافقت اور وحدت خیال کے سلسلے میں اسلام نے بہت عظیم پارٹ ادا کیا ہے۔ مشرق اور مغرب کی تہذیبوں میں آج کل جو تصادم ہو رہا ہے۔ میرا یقین ہے کہ دونوں کے درمیان اسلام اور صرف اسلام ہی موافقت اور تعاون کی راہیں کھول سکتا ہے۔

19. سیل کے ترجمہ القرآن کی ایک کاپی میں نے خریدی اور ابتداء سے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ دوران مطالعہ میں نے بسا اوقات مختلف مسائل پر اپنے مقامی دوستوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ اس پاک کتاب کے مسلسل مطالعہ نے مجھ پر مبرہن کر دیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ اس کی محیر العقول طاقت و قوت محسوس کر کے اسلام کا والہ و شید ہو گیا۔

20. مسیحی تحکم اور توہم پرستی مجھے ہرگز متاثر نہیں کر سکتی۔ اسلامی اصول عقلی اور عملی ہیں۔ صرف اسلام ہی الہامی اور حقیقی، مذہب ہے۔

21. میرا آبائی مذہب مسیحیت تھا اور ایک مسیحی کی حیثیت میں مجھے ہمیشہ یہی بتایا گیا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور ان کے حامیوں نے اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلایا ہے۔ مجھے عیسائی مذہب کے تحت یہ بھی بتایا گیا کہ اسلام نے جب تلوار کے ذریعہ مذہب کو پھیلایا تو اس نے بہت سے لوگوں کو غلام بنالیا اور اسی طرح مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اسلام غلامی کا محرک ہے لیکن جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اسلام کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈہ تھا۔ دراصل اسلام اخلاق کا حامل ہے۔ اس نے اخلاق و کردار کی بلندی سے اسلام کو رائج کیا ہے اور اسلامی مساوات میں غلامی اور آقائی میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسلام کی انہی خوبیوں کے پیش نظر میں نے اسلام قبول کیا۔

22. جب عیسائیت کے بہت سے عقائد و مسائل سے میرا طمینانِ قلب نہ ہوا تو میں نے قرآن پاک کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس میں مجھے اسلام ایک متبرک، پاکیزہ اور بنی نوع انسان کے لئے نافع، کامل و جامع مذہب نظر آیا اور یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی کہ اسلام میں نجات کسی ابن اللہ کی قربانی کی منت کش نہیں بلکہ ہر ایک تنفس کا نیک و بد فعل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک شخص کی نجات اس کے اپنے ہی افعال سے وابستہ ہے۔

23. میں نے اسلام کی کتابوں کے مطالعہ کے دوران اسلام کی معقولیت اور جمہوریت سے بہت اثر قبول کیا۔ اسلام برحق دین ہے اور انسانی دست برد سے پاک ہے۔

24. ایک پادری کی حیثیت سے مجھے دوسروں کو ان باتوں کی تعلیم دینا پڑتی تھی جن کو میں خود نہ سمجھتا تھا اور میں دوسروں کو ان باتوں کی ترغیب دیتا تھا جنہیں میں خود دل سے تسلیم نہ کرتا تھا۔ اس کشمکش کے ماحول میں میرے ضمیر نے مجھے تحقیق و تجسس پر ابھارا اور دیگر مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد آخر کار میں نے اسلام میں تمام حقائق پالے اور مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام کامل مذہب ہے۔

25. میں اسلام کی اس لئے تعریف کرتا ہوں کہ یہ کسی خاص ملک و ملت کا نہیں بلکہ ہمہ گیر اور عالمگیر مذہب ہے۔

26. میں نے بڑے عرصہ تک اسلام کا مطالعہ کیا ہے، جو روحانی اور اخلاقی خوشی و مسرت اور طمینانِ قلب مجھے یہاں میسر آیا ہے کسی اور مذہب میں نہیں آیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

27. میں ہمیشہ سے ایسے امن اور آشتی کا متمنی رہا ہوں۔ جو بالآخر مجھے گوشہ اسلام میں میسر آئی یہ سراسر فطری اور رحمت و آشتی کا مذہب ہے۔
28. میں مسلمان ہونے پر بڑا فخر محسوس کر رہا ہوں۔ قرآن حکیم نے مذہب اسلام کی جو تعلیمات دی ہیں، ان کو بہت واضح فطرت کے عین مطابق اور پوری طرح قابل عمل پاتا ہوں۔ مذہب اسلام میں خاص طور پر خواتین کو معزز درجہ دیا گیا ہے وہ عورتوں کے حق میں مساوات کا اس حد تک حامی ہے کہ اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔
29. جو شخص بھی حضرت محمد ﷺ عرب کے جلیل القدر پیغمبر کی حیات مقدسہ، آپ کے عظیم کردار اور عمل کا مطالعہ کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے کس طرح اپنی دعوت کو پیش کیا اور کس طرح اپنی پاکیزہ زندگی بسر کی۔ اس کے لئے اس کے بغیر چارہ ہی نہیں کہ وہ اس عظیم اور جلیل پیغمبر کی عظمت اور عزت اپنے دل میں محسوس کرے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے رسولوں میں بڑی ہی عزت والے رسول ﷺ تھے۔ میں جو کچھ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں آپ میں سے اکثر اصحاب شاید اس سے واقف بھی ہوں۔ لیکن میری تو یہ حالت ہے کہ میں جب بھی آپ ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتا ہوں تو میرے دل میں عرب کے اس عظیم اور لاثانی نبی کی نئی عظمت اجاگر ہو جاتی ہے۔
30. اسلام کی عبادت و ریاضت میں انتہائی خضوع و خشوع اور سادگی و خلوص کو دیکھ کر مجھ میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ اسلام دنیا کا اعلیٰ ترین مذہب ہے۔
31. میں اسلام کے سچے سیدھے سادھے کھرے اور فطری دین میں داخل ہو کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ دین تحکمانہ عقائد سے پاک ہے۔ اس میں ملاگری، پروہتائی یا پادریانہ نظام نہیں ہے۔ اس کی عالی ظرفی اور لچکدار اصولوں نے میری عقل و دانش کو اپیل کیا۔
32. قرآن کریم بلاشبہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے۔ اسلام کی عالی ظرف تعلیمات قرآن کریم کے بغور مطالعہ کا باعث ہوئیں اور انہیں فطری اور عقلی پاکر میں نے سچے دل سے ۱۸ دسمبر ۱۹۶۴ کو اسلام قبول کر لیا اور اسلام کی تبلیغ کرنے میں اپنی جان مال عزت کو تادم زیست وقف کر دیا ہے۔ اللہ قبول کریں اور توفیق ارزائے فرمائیں۔ آمین۔

جناب اختر اہی (ایم۔ اے)

علامہ سعد الدین تفتازانی

آٹھویں صدی ہجری کے مسلمان حکماء میں علامہ تفتازانی کا نام نہایت نمایاں ہے۔ ان کا نام مسعود اور لقب سعد الدین تھا۔ وہ خراسان کے شہر تفتازان میں صفر المظفر ۷۲۲ / فروری۔ مارچ ۱۳۲۲ء میں پیدا ہوئے۔

تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم عضد الدین ابکی مولف ”مواقف“ (م ۷۵۶ھ) سے پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم صرف و نحو، منطق و فلسفہ، معانی و بیان اور اصول و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ ان کی شہرت جلد ہی دور دور تک پھیل گئی اور طلبہ ان سے استفادے کے لئے رجوع کرنے لگے۔

تفتازانی کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی۔ تیمور نے ۸۰۷ یا ۸۱۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ اس زمانے میں ملک محمد سرخسی نے اپنے بھتیجے محمد بن غیاث الدین کو لکھا (جو اس وقت تیمور کا درباری تھا) کہ تیمور سے منظور لے کر تفتازانی کو سرخس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ تفتازانی ملک محمد سرخسی کے پاس سرخس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کو تفتازانی کے علم و فضل سے آگاہی ہوئی تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا۔ تفتازانی نے پہلے تو عذر کیا کہ وہ جاز جانے کا ارادہ رکھتا ہے مگر مکرر طلبہ پر سمرقند چلا گیا۔ تیمور نے اپنے دربار میں صدر صدور کی حیثیت سے جگہ دی۔

۸۹ھ / ۱۳۸۹ء میں شیراز فتح ہونے پر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) بھی تیمور کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ دونوں حکماء میں معاصرانہ چشمک پائی جاتی تھی جس کا اظہار جرجانی کی تالیفات میں تفتازانی کے افکار و نظریات پر تنقید سے ہوتا ہے۔

تفتازانی اور سید شریف جرجانی کے مابین اکثر علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ ۹۱ھ میں اس مسئلے میں کہ ”اللہ تعالیٰ کے اس قول میں **أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ** میں علامہ جار اللہ زمخشری (م ۲۸ھ) کے قول کے مطابق استعارہ تبعیہ اور استعارہ تمثیلیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں۔“

مناظرہ ہوا اور نعمان الدین الخوارزمی معتزلی حکم قرار پائے۔ سید شریف کا پلہ بھاری ہوا۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں حکماء کے درمیان دو مسئلوں پر مناظرہ ہوا۔

ایک اس قول پر **خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ**

دوسرا فلسفیانہ مسئلہ میں کہ غصہ انتقام لینے کا سبب بنتا ہے یا انتقام غصہ کا سبب ہے۔

اس مسئلہ میں جرجانی نے پہلی شق اور تفتازانی نے دوسری شق اختیار کی۔ شیخ منصور گازی کہتے ہیں کہ سید شریف جرجانی کے دلائل زیادہ وزنی

تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تیمور ہر دو حضرات کی عزت و تکریم کرتا تھا مگر سید شریف کو اس لئے ترجیح دیتا تھا کہ وہ نسباً سید تھا، اور اس لحاظ سے وہ تفتازانی سے برتر تھا۔ دونوں حضرات میں آئے دن مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ تفتازانی کو ایک مناظرے میں زک اٹھانی پڑی اور اس صدمے کو برداشت نہ لا کر ۲ محرم ۷۹۲ھ / جنوری ۱۳۹۰ء کو سمرقند میں فوت ہو گئے۔ 'حبیب السیر' نے سال وفات ۷۹۷ھ لکھا ہے۔

تفتازانی کی میت سرخس منتقل کر دی گئی اور وہیں جمادی الاولیٰ ۷۹۲ھ کو تدفین عمل میں آئی۔

تفتازانی کے ہزاروں شاگردوں میں سے صرف دو کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

(۱) حسام الدین الحسن بن ابی وردی (۲) برہان الدین حیدر

تصانیف:

تفتازانی نے سولہ سال کی عمر میں پہلی کتاب لکھی اور آخر دم تک قلم ہاتھ سے نہ رکھا۔ ان کی بے شمار کتابیں یاد گار ہیں۔ آرمینیس ویسبرے نے ایک قول نقل کیا ہے کہ ”اس کی کتابوں کی تعداد اس کی عمر کے سالوں سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔“ علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے مصر میں تفتازانی کی چند کتابیں دیکھیں تو تفتازانی کا ذکر ”ایک زبردست فاضل“ کے لقب سے ”مقدمہ“ میں کیا۔ تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ ذیل میں کتابوں کی فہرست موضوع داری جاتی ہے۔

صرف ونحو:

1. شرح التصریف العیز: عز الدین عبد الوہاب بن ابراہیم زنجانی کی کتاب 'التصریف' کی شرح ہے۔ مؤلف نے شعبان ۷۳۸ھ میں سولہ سال کی عمر میں لکھی۔ چونکہ یہ عز الدین زنجانی کی کتاب کی شرح ہے اس لئے شرح التصریف کو بعض اوقات 'زنجانیہ' کا نام دے دیا جاتا ہے۔
2. رسالۃ الارشاد: حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) نے اسے ارشاد الہادی لکھا ہے۔ عربی نحو یہ کتاب تفتازانی نے اپنے بیٹے کے لئے لکھی تھی۔ ۷۷۷ھ یا ۷۷۸ھ میں مکمل ہوئی۔ حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ) نے اس کی کئی شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

معانی و بیان:

تفتازانی نے اس موضوع پر سکا کی (م ۶۲۶ھ) کی تالیف 'مفتاح العلوم' کے تیسرے حصے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ تین کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے دو محمد بن عبد الرحمن قزدینی (م ۷۳۹ھ) کی 'تلخیص المفتاح' کی شرحیں ہیں۔ تیسری برادر است مفتاح کی شرح ہے۔

3. مطول: عام طور پر 'شرح المطول' مشہور ہے۔ ہرات میں ۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء میں لکھی گئی۔

4. مختصر المعانی: تلخیص کی نسبتاً شرح ہے۔ درس نظامی میں شامل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

5. شرح القسم الثالث فی المفتاح: مفتاح کے تیسرے حصے کی یہ شرح شوال ۷۸۷ھ میں سمرقند میں مکمل ہوئی۔ اسے مختصر المعانی یا ممول جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ مخطوطات کی صورت میں بعض کتب خانوں میں اس کے نسخے ملتے ہیں۔

منطق:

6. شرح رسالہ شمس، شرح شمس: نجم الدین علی قزوینی الکاظمی (م ۶۷۵ھ) کی کتاب ”رسالہ شمس“ کی شرح ہے۔ جام میں جمادی الآخرہ ۷۵۲ھ میں مکمل ہوئی۔

7. تہذیب المنطق والکلام: کتاب کا پورا نام ’غایت تہذیب الکلام فی تحریر المنطق والکلام‘ ہے۔ یہ اہم کتاب رجب ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب کا پہلا حصہ منطق اور دوسرا علم الکلام میں ہے۔ پہلا حصہ علماء کی توجہ کا باعث بنا۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اس کی شرح تہذیب دس نظامی میں شامل ہے۔

8. ضابطہ انتاج الاشکال: مولانا عبد السلام ندوی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

علم کلام و ما بعد الطبیعیات:

9. شرح المقاصد: ما بعد الطبیعیات اور علم کلام کے موضوع پر تفتازانی نے ایک رسالہ ’مقاصد الطالبین فی اصول الدین‘ لکھا۔ بعد ازاں اس کی شرح ذی القعدہ ۷۸۴ھ / ۱۳۸۳ء میں سمرقند میں مکمل کی۔

تہذیب المنطق والکلام کا جائزہ منطق کی کتابوں میں لیا جا چکا ہے۔

10. شرح عقائد نسفی: عمر محمد النسفی (م) کی تالیف ’عقائد نسفی‘ کی شرح ہے جو خوارزم میں شعبان ۷۶۸ھ / ۱۳۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ تفتازانی کی شرح پر کئی شرحیں لکھی گئیں ہیں اور یہ کتاب مدارس عربیہ میں مقبول و متداول ہے۔ ’خیالی‘ اس کی معروف شرح ہے جس پر علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۲۱ھ) نے حاشیہ لکھا ہے۔

11. ایک رسالے میں ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی ’فصوص الحکم‘ پر محاکمہ ہے۔

اصول فقہ:

12. التلویح الی کشف حقائق التنقیح: صدر الشریعت اول کی تالیف ’تنقیح الاصول‘ کی شرح ذوالقعدہ ۷۵۸ھ / ۱۳۵۷ء میں مکمل کی۔

13. شرح شرح الخضر فی الاصول یا شرح الاشرار

ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) نے اصول فقہ مالکی میں رسالہ ’المختصر المہنتی‘ لکھا۔ اس کی شرح علامہ عضد الدین ابیجی (م ۷۵۶ھ) نے لکھی۔ ابیجی کی شرح کی شرح تفتازانی نے کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قانون:

14. المفتاح: فقہ شافعی کی فروع پر ایک مخطوطے کی صورت میں برلن میں محفوظ ہے۔
15. فتاویٰ حنفیہ: ذوالقعدہ ۷۶۹ھ میں یہ فتاویٰ مرتب کیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Incyclopedia of Islam) کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ آج کل فتاویٰ حنفیہ معدوم ہے۔
16. اختصار شرح الجامع الکبیر: جامع الکبیر امام محمد شیبانی (م ۲۵۶ھ) کی مشہور تالیف ہے۔ الخلاطی نے اس کا اختصار کیا۔ مسعود بن محمود نے اس کی شرح لکھی۔ اس شرح کا نام مکمل اختصار ہے۔

تفسیر قرآن:

17. کشف الاسرار وعدۃ الابرار: فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس نام کی تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری (م) نے لکھی ہے جس کا جدید ایڈیشن جناب علی اصغر حکمت کے سعی و اہتمام سے طہران سے ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا ہے۔
18. شرح (یا حاشیہ) کشف: جار اللہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی تفسیر کشف کا نام مکمل حاشیہ (یا شرح) جو برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری میں بصورت مخطوطہ موجود ہے۔ ۸ ربیع الاول ۷۸۶ھ میں سرخس میں لکھی گئی۔

حدیث:

19. شرح اربعین نووی: شارح صحیح مسلم امام نووی (م ۶۷۶ھ) کی اربعین کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں تفتازانی سے بھی ایک شرح منسوب ہے۔

لسانیات:

20. النعم السوانیخ فی شرح الکلام النوانیخ: زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی کتاب نوانیخ کی شرح ہے۔
21. ترجمہ بوستان سعدی: شرف الدین سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) کی بوستان کا ترکی زبان میں ترجمہ ہے۔

مآخذ:

- (۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
- (۲) حکمائے اسلام حصہ دوم (عبدالسلام ندوی)
- (۳) الفوائد البیہ (عبدالحی لکھنوی)
- (۴) تاریخ بخارا (اردو ترجمہ) ارمنیس دیہرے
- (۵) مقدمہ ابن خلدون (ابن خلدون)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عبدالرحمن عاجز (مالیر کوٹلوی)

اس قوم کی پھر عزت و عظمت نہیں رہتی

اللہ کو اس قوم کی چاہت نہیں رہتی	جس قوم میں اللہ کی طاعت نہیں رہتی
اس قوم کو پھر ہیبت و دہشت نہیں رہتی	جس قوم میں تنظیم جماعت نہیں رہتی
اس قوم کی پھر عزت و عظمت نہیں رہتی	جس قوم کے افکار میں وحدت نہیں رہتی
اس قوم میں پھر روح شجاعت نہیں رہتی	جو قوم سے و نغمہ سے ہو جاتی ہے مانوس
پھر ملک نہیں رہتا حکومت نہیں رہتی	ارباب حکومت کہیں ہو جائیں جو عیاش
نظروں میں انہیں کے جنہیں غیرت نہیں رہتی	بے پردگی و پردہ نسواں ہے برابر
اس وقت پھر اپنی کوئی وقعت نہیں رہتی	آتے ہیں کبھی سامنے اعمال جو اپنے
اس دل کی پھر اصلاح کی صورت نہیں رہتی	احساس گنہ تک سے بھی ہو جائے جو محروم
جب فکر اجل، فکر قیامت نہیں رہتی	پھنس جاتا ہے دل حلقہ افکار جہاں میں
پیری میں عبادت کی بھی قوت نہیں رہتی	اس دور جوانی کو نہ غفلت میں گزارو
جب نطق و اشارہ کی بھی قوت نہیں رہتی	بے سود ہے اس دم کسی نیکی کی تمنا
عاجز کہیں آجائے نہ وہ وقت اچانک!	
جس وقت کہ توبہ کی بھی مہلت نہیں رہتی!	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

دلائل الخیرات کا ورد

مولانا انوری لائل پوری مرحوم نے ایک دفعہ یہ انکشاف کیا تھا کہ:

ایک دفعہ رائے پور میں (یعنی حضرت رائے پوری سے) عرض کیا کہ 'الحزب الاعظم' کا ورد رکھتا ہوں! فرمایا:

دلائل الخیرات کو بھی اس کے ساتھ ملا لو!

مولانا کریم بخش (پروفیسر۔ مظفر گڑھی) مرحوم فرمانے لگے:

دلائل الخیرات کو میں پسند نہیں کرتا!

فرمایا کہ: ہمارے حضرت تو پڑھتے تھے اور اجازت بھی دیتے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی اجازت دیتے تھے، حضرت شیخ الہند بھی

اس کی اجازت دیتے تھے۔ آپ کے کہنے سے تو ہم چھوڑتے نہیں۔ الخ۔ (دارالعلوم دیوبند، جولائی ۱۹۷۵ء)

دلائل الخیرات:

دلائل الخیرات حضرت امام ابو محمد عبد اللہ بن سلیمان جزولی حسنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶ رجب الاول ۸۷۰ء کی تالیف ہے۔

شاذلیہ:

صوفیائے کرام کے معروف سلسلہ شاذلیہ سے آپ کا تعلق تھا۔ شاذلیہ، حضرت امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ الشاذلی متوفی ۲۵۶ھ کی طرف منسوب ہے۔ شاذلہ شمالی افریقہ (مرکش) میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ مغرب اقصیٰ کے ایک شہر سبتہ کے قریب ۵۹۳ھ میں غمارہ نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور یہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پورا نام نور الدین ابو الحسن علی بن عبد الجبار ہے۔ قبیلہ عموان سے آپ کا تعلق تھا۔ ۶۰۲ھ میں غمارہ سے ٹیونس تشریف لے گئے جب کہ آپ ابھی دس سال کے تھے۔ یہیں فقہ مالکی اور دوسرے علوم حاصل کئے۔ یہیں سے پھر وہ مشرق اوسط کو نکلے، پہلے اسکندریہ پھر مصر، حجاز، فلسطین، شام اور عراق گئے۔ اس دوران وہ شیخ ابو الفتح واسطی سے زیادہ متاثر ہوئے، ان سے استفادہ کیا، پھر انہی کے ایما پر واپس مغرب کو تشریف لے گئے اور حضرت عبد السلام حشیش (متوفی ۶۲۶ھ) کے پاس جا کر تزکیہ و طہارت میں خوب کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت حشیش کے حسب ارشاد فارس سے ٹیونس میں شاذلہ نامی گاؤں کا رخ کیا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے نام سے آپ 'شاذلی' کہلاتے ہیں۔ حزب البحر حضرت شاذلی ہی کی تالیف ہے، جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ دعا موصوف کو الہام ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح اور اس کے ختم کرنے کے طریق کار کی تفصیل پیش کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تحدیثِ نعمت:

عصر حاضر کے جلیل القدر محدث اور صاحب الاسانید حضرت شیخ محمد راغب بن محمود بن الشیخ ہاشم الطباخ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریراً مجھے اپنی ان تمام اسانید اور مرویات کی اجازت فرمائی تھی جو آپ کی مشہور تالیف الانوار الجلیہ فی مختصر الاثبات الجلیہ میں مذکور ہیں، اس میں شیخ یوسف الحسینی الخنفی المتوفی ۱۱۵۳ھ اور شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ الخنبلی الجلی المتوفی ۱۱۹۲ھ کی جو اسانید مذکور ہیں، ان کے ذریعے ”دلائل الخیرات“ مذکور کی سند بھی مجھے حاصل ہے۔

ان اسانید کی اجازت مجھے میرے شیخ حضرت مولانا عبدالنواب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت حاصل ہوئی تھی اور میری ہی درخواست اور تحریک پر انہوں نے اس کے لئے حضرت مولانا طباخ رحمۃ اللہ علیہ کو ’اجازہ‘ کے لئے تحریر کیا تھا اور میری ہی تحریک پر انہوں نے اپنے لئے بھی ’اجازہ‘ حاصل کیا تھا۔ غالباً اسی علاقہ میں ہم دونوں (راقم الحروف اور میرے شیخ حضرت مولانا ملتانی) کے سوا حضرت راغب طباخ رحمۃ اللہ علیہ کی اسانید کا سلسلہ اور کہیں نہیں ملتا۔ واللہ علی ذلک۔

صوفیاء کے مخصوص اوراد:

دلائل الخیرات کی طرف اور بھی بہت سی ایسی چیزیں ملتی ہیں جن کا صوفیائے کرام کے ہاں بڑا چرچا ہے۔ مثلاً حزب البحر، حصن حسین، حزب النصر، حزب المقبول وغیرہ۔ ان کے ختم اور ورد کے لئے انہوں نے مختلف طریقے اور اجازتیں ایجاد کی ہیں، جن کو وہ روحانی سفر میں بہترین زادِ راہ تصور کرتے ہیں، گو ان کے ورد اور ختم کو ہم مطلقاً حرام اور ناجائز تو نہیں کہہ سکتے تاہم دل پوری طرح مطمئن بھی نہیں ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جو انسان خدا کے حضور میں اپنے جذبات کے اظہار کے لئے اپنی زبان کو ذریعہ بنا سکتا ہے اس کے لئے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کسی دوسرے بزرگ کے بے ضرر الفاظ اور جائز تراکیب کو بھی اپنے جذبات کے اظہار کے لئے بنانا چاہے تو بنا سکے، ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں بشرطیکہ معاملہ اسی حد تک رہے۔ اگر بات اظہار مدعا اور جذبات کی ترجمانی کے بجائے ’تلاوت‘ کا رنگ اختیار کر جائے تو ظاہر ہے کہ اسے بالکل کارِ ثواب، تصور کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

صوفیائے کرام کے ان مخصوص اذکار و اوراد میں جو ایک بنیادی خرابی پیدا ہو گئی ہے وہ ان کے درود و وظیفہ میں عجمی تکلف ہے۔ یعنی پھر وہ وظیفوں کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ دنیائے زیست اور اس کے متعلقات اور لوازمات سے اس کا تعلق برائے نام باقی رہتا ہے۔ حالانکہ اصل تصوف یہ ہے کہ دنیا باخدا گزاری جائے لیکن اب ’بے دنیا باخدا‘ یعنی رہبانیت کی سٹیج آجاتی ہے جہاں حقوق نفس اور حقوق العباد بہت بری طرح متاثر ہوتے ہیں، بلکہ اس لحاظ سے ان کی زندگی بہت ہی غیر متوازن ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسلامی اذکار:

مسنون اذکار و اوراد کا جو طریق کار ہے، بالکل بیساختہ اور قدرتی ہے۔ اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے، گھر اور باہر، مسجد اور میدان اور مخصوص اوقات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عبادت میں ان کو پھیلا کر آسان کر دیا گیا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ جیسے اذکار کو یکجا کر کے ان کے لئے مختلف منزلیں اور ختم تجویز کیے ہیں انہوں نے دراصل اذکار مسنونہ کی اس فطری آزادی، اس کے بیساختہ پن اور سر جیسی حکمتِ عملی کو غارت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان حضرات کی اس غیر حکمتِ عملی کی وجہ سے عام دنیا کو اسلام بہت ہی بوجھل اور مشکل محسوس ہونے لگا ہے تو کچھ زیادہ مبالغہ بھی نہیں ہو گا۔

بوجھل اذکار کا پس منظر:

جہاں تک صوفیائے کبار کا معاملہ ہے یہی محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ان اذکار کو 'عوامی وظیفہ' کی شکل میں پیش نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے یہ اوراد اور وظائف اپنے ان تلامذہ اور طلبہ کے لئے ایک غیر سرکاری تربیتی کورس کے طور پر تجویز اور تخصیص کیے تھے جن سے انہیں 'عوامی تعلیم و تربیت اور تبلیغ' کا کام لینا تھا جیسا کہ درس نظامی کا معاملہ ہے۔ یہ علماء کے لئے علمی کورس ہے، عوامی ضرورت اور ان کے دائرہ معمولات کے اعتبار سے یہ دوسرے کے لئے بالکل ایک غیر متعلق شے ہے۔

جب اسلامی حکومت پر زوال آیا، خلفاء برحق کے بجائے بادشاہوں کا سلسلہ چل نکلا تو تزکیہ و طہارت کا وہ فریضہ جو خلافت کے فرائض منصبی میں داخل تھا اب وہ بھی متروک ہو گیا تھا، چنانچہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے اسلاف نے مختلف استعداد رکھنے والی تبلیغی ٹیمیں تیار کیں، جب وہ صوفیاء کے مخصوص اوراد اور مشق کا کورس پورا کر لیتے تو ان کو مختلف اکناف و اطراف میں عوام کے تزکیہ و طہارت کے لئے بھیج دیتے! اس تبلیغی ٹیم کے لئے مختلف عہدے اور منصب بھی تجویز کیے، کسی کا نام غوث، کسی کا قطب، کسی کا ابدال، کسی کا ولی الغرض مختلف ناموں سے ان کو مشخص کیا، اور باقاعدہ ان کے تبادلے بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ان اکابر نے جو محنتیں کیں شروع میں وہ کافی معنی خیز رہیں اور کافی حد تک اس میں وہ کامیاب بھی رہے لیکن عوام سے ان کے اس رابطہ کی حیثیت ایک اخلاقی ضابطہ کی تھی، اس کی پشت پر کوئی آئینی طاقت نہیں تھی، جس کی وجہ سے ان کو اپنی محنتوں کو کنٹرول اور محفوظ کرنے کے لئے بڑی دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس لئے وہ عوام جن کی ایمانی عافیتوں کے تحفظ کے لئے ان بزرگوں نے یہ سلسلہ جاری کیے تھے وہ عوام میں 'زود اعتقادی' کو تو جنم دے سکے جو بعد میں اکابر پرستی کی شکل میں نمودار ہوئی، لیکن اس اسلامی منہاج اور طرز زندگی کو وہ استواری اور ساتھ کام نہ دے سکے جو خلافت جیسی آئینہ سرپرستی کے ذریعے ممکن تھی۔ اور یہ بالکل ایک قدرتی بات بھی ہے کہ:

قرآن بے سیف اور سیف بے قرآن، مومنانہ طرزِ حیات کی تخلیق اور اس میں استواری کے لئے کچھ زیادہ جاندار اور تسلی بخش سلسلہ نہیں۔ قرآن باسیف کے یہ معنی نہیں کہ قرآنی فکر و عمل کا تحفظ جبر و اکراہ پر مبنی ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ مناسب اور سازگار فضا پیدا کرنے میں خلافت جیسے اقتدار سے بڑی مدد ملتی ہے اور الناس علی دین ملوکہم کے ذریعے ان نفسیات کو تقویت حاصل ہوتی ہے جو وسائل اور طاقت کی خوشگوار تخلیقات کہلاتی ہیں، اس کے علاوہ جو باغ لگایا جاتا ہے اس کی نگہبانی کے لئے چو کس، پر شکوہ پاسبان کی ضرورت بھی ہوتی ہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منزلیں، تلاوت، ختم:

قرونِ اولیٰ میں جس کتاب کے لئے منزلیں، اس کے ختم اور اس کی تلاوت مقرر تھی، وہ صرف قرآن کریم تھا، دوسری کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جس کے لئے کسی نے اتنا اہتمام کیا ہو، یہاں تک کہ اگر حضرت عمرؓ نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن حکیم کے بجائے 'تورات' جیسی عظیم کتاب کی تلاوت کی جرأت کی تو آپ ناراض ہو گئے، دنیا جہاں میں اور جتنی کتابیں ہیں، ان کا مطالعہ تو کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ منزلیں، وہ ختم اور یہ تلاوت؟ عا شا وکلا!.....

آسمانی کتابوں کے سواروحانیت کے تصور سے بعض دوسری کتابوں سے اس قسم کا معاملہ کرنا دراصل عجی تکلفات ہیں۔ عجی تکلف کا یہ خاصہ ہے کہ:

اصل سے نقل، فرض سے نقل، مستحب سے مباح اور سنت سے بدعت وغیرہ عزیز ہوتی ہے۔ ان کے عمل کا محرک بھی عبادت سے زیادہ خوش فہمیوں کی تسکین ہوتی ہے، اعمال میں ترقی کرنے کے بجائے، اول بدل کر منہ کا مزہ بدلنے والی بات ہوتی ہے۔ ٹھوس پر کم اور سطحیت پر زیادہ نگاہ رہتی ہے۔ یہی کیفیت صوفیاء کے اورداد کی ہے۔ اہل احسان صوفیاء کے بعد عجی ڈھب کے صوفیوں نے اذکار اور اورداد میں جن تکلفات کی بھرمار کی ہے۔ اہل احسان صوفیاء کے بعد عجی ڈھب کے صوفیوں نے اذکار اور اورداد میں جن تکلفات کی بھرمار کی ہے۔ ہزار نیک نیتی کے باوجود اس میں جتنی سردردی کی گئی ہے اسے عجی چلہ کشی اور رہبانیت کا چربہ ہی تصور کیجئے۔

اذکار اور اورداد سے غرض یہ ہوتی ہے کہ احساس و شعور اور اندرونی داعیہ کے ساتھ مسنون، عبارت، بزرگوں کے الفاظ یا اپنے الفاظ میں اپنے رب کے حضور میں دعا کی جائے۔ نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے۔ ان کی تلاوت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہیں بھی محمود اور مطلوب بات سمجھی گئی ہے۔ اس لئے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ حضرت مولانا کریم بخش مرحوم نے اس سلسلہ میں جو خیال ظاہر کیا تھا، وہ بجا اور صحیح ہے۔

ان اورداد کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ عموماً لوگ ان اورداد کی وجہ سے قرآن کی تلاوت کم کرتے ہیں اور اسی کو ہی وہ سبھی کچھ تصور کر لیتے ہیں۔ دعا کم ہوتی ہے، دعا کی تلاوت ہوتی ہے، حمد و ثنا کم کی جاتی ہے، حمد و ثنا کی تلاوت کی جاتی ہے، اظہارِ مدعا اور درخواستِ دعا کا شعور برائے نام ہوتا ہے صرف کارِ ثواب سمجھ کر اس کی رٹ ہوتی ہے۔

ہمارے نزدیک ایسی کتاب جس کے الفاظ و عبارت کی تلاوت بھی کارِ ثواب ہوتی ہے وہ صرف قرآن کریم ہے مگر اب لوگوں نے یہ خاصیت دوسرے اذکار بھی تصور کر لی ہے²۔

² یعنی قرآن کریم وحی متلو (ایسی وحی جس کی تلاوت بھی مقصود ہے) ہونے کی بنا پر اگر معنی پر دھیان دیئے بغیر بھی پڑھا جائے تو باعث برکت اور کارِ ثواب ہے اگرچہ تدریس اور تفکر سے تلاوت بہت بڑی چیز ہے لیکن دوسرے اور اذکار کوئی فائدہ ہے تو اپنے معنوی غور و فکر کی بدولت صرف الفاظ کی تلاوت کوئی حیثیت نہیں رکھتی حتیٰ کہ اگر حدیث بلکہ حدیث قدسی کو بھی وحی متلو کی شکل دے دی جائے تو یہ صحیح نہ ہوگا، لہذا تلاوت صرف قرآن کریم کا خاصہ ہے (مدیر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ